معالی الہم

احوال واذکار حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت جنید بغدادیؒ

محمد علی چراغ

معالی الہمم

احوال واذکار حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت جنید بغدادیؒ

محمدؐ علی چراغ

نذیر سنز پبلشرز
۴۰۔ اے اردو بازار ۰ لاہور

1998

نذیر حسین نے

زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر

نذیر سنز پبلشرز ۴۰-A اردو بازار لاہور سے شائع کی

قیمت ۔/75 روپے

فہرست

۸

حصہ اوّل

احوال و اذکار

حصہ اوّل

حضرت جنید بغدادیؒ

احوال و اذکار

ظہور اسلام سے لے کر عباسی خلیفہ

سیاسی، سماجی پس منظر: مامون الرشید تک کی تقریباً دو سو سالہ تاریخ اسلام میں متعدد حوالوں سے کئی نشیب و فراز آ چکے تھے۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مبارک عہد سے دورِ خلافتِ راشدہ میں تو مسلمانوں کی فتوحات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تبلیغ دین اسلام پر بھی خصوصی توجہ دی جانے لگی تھی۔ خلافتِ راشدہ کے دَور میں عربوں نے بجا طور پر سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی طور سے بھی کئی مراحل طے کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا تھا۔

پہلی صدی ہجری کے ساتویں عشرے ہی سے بنو امیّہ کا عہدِ حکومت شروع ہو گیا تھا۔ اموی حکمرانوں نے اسلامی دنیا کے مرکز سے امیر معاویہ ہی کے عہد سے فتوحات کا آغاز کر دیا تھا۔ اس لئے شمالی افریقہ اور بحیرہ اوقیانوس کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ مسلمان مبلّغین اور مجاہدین نے پہنچنا شروع کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دور میں مشرقی افغانستان اور برّ عظیم پاک و ہند کی وادیوں میں بھی مسلمان پہنچ

گئے تھے۔ اس کے بعد کے برسوں میں شمالی افریقہ کے متعدد علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچایا جا چکا تھا۔

پھر دوسری صدی ہجری کے طلوع کے ساتھ ہی مسلمانوں کی سلطنت پھیلتے ہوئے سمرقند، بخارا اور کاشغر تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد ایک جواں سال جرنیل محمد بن قاسم نے ہندوستان میں وادی سندھ کو تسخیر کر لیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اپنی خصوصی توجہ اور سیاسی، اقتصادی اور علمی ادبی بصیرت سے اس وقت کی پوری اسلامی دنیا کو چکا چوند بنا دیا تھا۔ ادھر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے سپین میں فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ قتیبہ بن مسلم بھی پے در پے فتوحات حاصل کر چکا تھا۔

پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت شروع ہوا تو اس دور میں فتوحات و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا میں اصلاحات کے نفوذ پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ بیرونی اسلامی فتوحات میں اب تو مسلمان فرانس کی وادیوں میں بھی داخل ہو گئے تھے۔ فرانس کے کئی ایک جنوبی حصوں پر اسلامی تسلط اور قبضہ قائم ہو گیا تھا۔ اموی حکمرانوں کی فتوحات اور توسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ انتظامی اور سیاسی اعتبار سے بھی گئی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ چند ایک اندرونی اور بیرونی شورشوں نے بھی سر اُٹھا لیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تحریک عباسیہ بھی شروع ہو گئی تھی۔

اموی دورِ حکومت میں اسلامی دنیا میں اقتصادی اور مادی و ثقافتی ترقی کے ساتھ ساتھ افکار و نظریات کی ترقی بھی ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فدائین کے کئی ایک گروہ منظرِ عام پر آئے۔ ان میں توابین اور شیعانِ علی سب سے اہم تھے۔ پھر اسی طرح ایک موثر اور مستحکم گروہ خوارج کا بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کا نعرہ اور منشور یہی تھا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا فیصلہ قابلِ قبول نہیں ہے۔" آغاز

میں خوارج سیاسی امور اور سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے لیکن بعد کے برسوں میں انہوں نے خالصتاً مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خوارج کا بڑا گروہ مزید بیس بائیس فرقوں اور نظریوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

مذہبی اور فکری پس منظر :

اموی دور کا ایک اور گروہ مُرجیہ کا تھا یہ لوگ اعتدال پسند تھے۔ بنیادی طور پر اس فرقے اور گروہ کے لوگ گناہ کرنے والے کو اس کے اعمالِ بد کے باعث کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ وہ گنہگار اور کافر میں فرق کرتے تھے۔

اس دَور میں خوارج ہی کی طرح ایک بڑا مذہبی اور فکری گروہ معتزلہ کا بھی تھا۔ یہ لوگ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے شاگرد واصل بن عطا کے ماننے والے تھے۔ اس فرقہ کے لوگ اپنے آپ کو عدل و توحید والے لوگ کہا کرتے تھے۔ اس گروہ کے لوگ یونانی فلسفہ سے خاصے متاثر تھے اور اسی حوالے سے وہ اسلامی تعلیمات کو بھی عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ اسلامی نظریات کو وہ اپنی عقل کے مطابق ڈھالنے کے قائل تھے۔ منطق اور عقل کی کسوٹی کو وہ اہم اور فائق سمجھتے تھے۔ اسی حوالے سے انہیں عقلیت پرست بھی کہا جاتا رہا ہے۔ وہ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تصوّر کرتے تھے۔ انسان کو وہ اپنے اعمال میں کلی طور پر خود مختار گردانتے تھے۔ اس فرقے کا آغاز بنو امیہ کے آخری دَور میں ہو گیا تھا۔ پھر بعد میں عباسی دورِ حکومت اس فرقہ کی ترقی اور عروج کا عہد ثابت ہوُا۔

معتزلہ کی طرح ایک اور گروہ "جبریہ" کا بھی اسی دَور میں پیدا ہو گیا تھا۔ یہ فرقہ بنیادی طور پر اس نظریئے کا قائل تھا کہ "انسان اپنے افعال و کردار میں مجبور محض ہے، اس کو اپنے اعمال پر کوئی اختیار اور قدرت حاصل نہیں ہے بلکہ سارے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کی جانب سے صادر ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان

اپنے نیک یا بد اعمال کا ذمے دار نہیں ہے. یہ فرقہ قرآن حکیم کو بھی مخلوق تصوّر کرتا تھا۔ اس فرقہ کا بانی ایک ایرانی باشندہ جعد بن درہم تھا۔

ایرانی اثرات : اموی حکومت کے بعد دورِ عباسی کا آغاز ہوا. کہا جاتا ہے کہ عباسی حکمرانوں نے متعدد امور اور فتوحات میں ایرانیوں سے بھرپور مدد اور تعاون حاصل کئے رکھا تھا۔ ان سے پیشتر حجاج بن یوسف نے عربی کو سرکاری زبان تو بنا دیا تھا لیکن اب اس عہد میں عربی کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں نے بھی بجا طور پہ فروغ حاصل کیا۔ اس طرح عرب حکومت میں عربی اثرات کے بجائے ایرانی اثرات بھی ہر میدان میں اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ رہن سہن، لباس، روزمرہ عادات و اطوار میں ایرانی رنگ ڈھنگ نمایاں ہونے لگا تھا. عباسی حکومت میں سیاسی اور انتظامی طور پہ ایرانیوں کا عمل دخل اور مناصب بھی قابلِ قدر ہو گئے تھے. سارا انتظامِ سلطنت ایرانی پہ تو دینے لگا تھا۔

دوسری جانب ادب اور معاشرت اور معیشت میں بھی ایرانی رنگ غالب آنے لگا تھا. ایرانی علوم و فنون اور افکار و نظریات کی گونج بھی ایوان عباسیہ میں سنائی دینے لگی تھی۔ ایرانیوں کے اس قدر اثر و رسوخ اور عمل دخل کے باعث ایرانیوں کے مذہبی افکار اور نیم مذہبی روایات بھی عرب دنیا میں پروان چڑھنے لگیں اور اس طرح طاقتور عجمی تہذیب و ثقافت نے عربی تہذیب و تمدن کو اپنے قریب کر لیا تھا۔

علوم و فنون کی ترقی : عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دورِ حکومت میں جبکہ رومی سلطنت کے مختلف علاقوں پہ مسلمان مجاہدین نے حملوں کے بعد فتوحات شروع کر دی تھیں اس کے بعد رفتہ رفتہ رومی تہذیب و ثقافت اور فلسفۂ حیات بھی رنگ دکھانے لگا تھا۔ اسلامی دنیا میں

کئی ایجادات ہونے لگی تھیں۔ علوم و فنون میں لاتعداد یونانی کتابوں کے عربی زبان میں تراجم ہونے لگے تھے۔ ان تراجم کی شاہی دربار سرپرستی کرتے تھے۔ اس طرح اسلامی فلسفہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ متمول اور وسیع ہو گیا۔ بیت الحکمت میں ترجمے کا باقاعدہ ایک لازمی اور بڑا شعبہ قائم کر دیا گیا تھا۔ علم ہیئت و نجوم، سیاست تفسیر، فقہ، شاعری اور ادب نے بھی بڑی حد تک ترقی کر لی تھی۔ فنون میں تعمیرات موسیقی، رقص، ثقافتی لباس اور آداب شاہی دربار نے بھی بڑی امتیازی ترقی کر لی تھی۔ حساب، جیومیٹری اور اقلیدسی علوم میں تو مسلمان اس وقت کی پوری دنیا میں سب سے زیادہ منظم اور ترقی یافتہ تھے۔

مذہبی اور دینی طور پر اس عہد میں چونکہ کئی فرقے پیدا ہو چکے تھے اس لئے ہر فرقے کے اہلِ علم اور عالم فاضل لوگوں نے اپنے اپنے فکری مکتب اور گروہ بنا لئے تھے۔ کئی فرقوں نے اپنے اعتقادات کی تبلیغ و تشہیر کی خاطر اپنی اشاعتی سرگرمیاں بھی شروع کر رکھی تھیں۔ لیکن اس وقت کے خلفاء ان مذہبی فرقہ وارانہ سرگرمیوں کے فروغ میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے بلکہ بعض فرقوں کو تو وہ شدید ناپسند بھی کرتے تھے اور ان کی سرگرمیوں اور اشاعت پر پابندیاں عائد کرتے تھے لیکن ان تمام علماء اور اہلِ علم کے ساتھ ساتھ حق پرست علماء بھی موجود تھے، وہ نہ حکومت کے خاصم سے خائف تھے اور نہ کسی اور دنیاوی لالچ میں ملوّث ہوئے تھے۔

بہر صورت اموی دورِ حکومت کے بعد عباسی عہد میں پوری اسلامی دنیا مکمل طور پر یونانی مفکرین اور ان کے فلسفوں سے آگاہ ہو چکی تھی۔ لوگ ارسطو اور افلاطون کے یونانی افکار سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی علوم اور فلسفہ بھی عربی زبان میں ترجمہ ہونے کے بعد عربوں کے لئے دور کی بات نہیں رہا تھا۔ کئی اہم اور بڑی بڑی ہندوستان کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ ہو کر عرب

دنیا سے باہر بھی متعارف ہونے لگی تھیں۔ دوسری جانب عربوں کے اپنے عہد کی تمام مذہبی تحاریک اور افکار پر بھی باضابطہ کام ہوا تھا۔ اس طرح ہارون الرشید کے دورِ حکومت میں قاضی ابو یوسف نے حنفی فقہ کی تدوین، امام بخاری نے حضور نبی اکرم کی قریباً تمام احادیث کو مدوّن اور مرتب کر دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے بھی اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا کام کیا۔

اسلامی فتوحات اور کسی حد تک

بغداد اسلامی دُنیا کا مرکز: سیاسی استحکام کے باعث اسلامی دنیا کا ایک بڑا مرکز بغداد بھی بجا طور پر ترقی کرنے لگا تھا۔ دریا دجلہ کے کناروں پر اس شہر نے اسلامی دنیا میں امتیازی حیثیت اور اہمیت حاصل کر لی تھی۔ بغداد ابتداء میں تو قدیم قصبہ تھا لیکن عہد اسلامی میں اسے بہت ترقی ملی۔ ۷۶۲ء میں ابو جعفر المنصور نے اس شہر کو جدت بخشنے کا آغاز کیا تھا اور اسی وقت اس نے اس قدیم ساسانی گاؤں کی جگہ پر ایک نیا اور جدید شہر بسانا شروع کر دیا تھا۔ دریائے دجلہ اس شہر کے عین درمیان میں سے گزرنے کے باعث شہر کو ایک پرستانی حُسن بخشتا تھا۔ شروع شروع میں یہ شہر ایک قلعہ نما خوب صورت شہر دکھائی دیتا تھا۔ پھر بعد کے برسوں میں اسلامی حکمرانوں اور خلفاء نے یہاں پر عالیشان محلات اور عظیم الشان مساجد کی تعمیر شروع کر دی اور یوں یہ شہر الف لیلوی داستانوں اور کہانیوں کا مرکز بن گیا تھا۔

بغداد کو خلفاء نے تعمیر و ترقی کے باعث اور مساجد کی تعمیر سے اپنے دَور کا ایک سب سے بڑا خوب صورت شہر بنا دیا تھا۔ اس کے بعد امین اور مامون الرشید کے دَور میں تو اس شہر کو ایک لازوال عروج مل گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی بعض

شورشوں نے اسے نقصان بھی پہنچا دیا تھا۔ لہٰذا ایک بار پھر ہارون الرشید کے دور میں بغداد دوبارہ عظمت کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔ بعد میں بغداد کو معتمد، مکتفی اور مقتدر نے بھی بہت ترقی اور عروج بخشا۔ انہوں نے محلات، شاہی دفاتر، کتب خانوں، ثقافتی عمارات اور کئی فلاحی عمارات بنا کر اس شہر کو ممتاز بنا دیا تھا۔ اس وقت بغداد اپنی سیاسی، ثقافتی، مذہبی اور تجارتی حیثیت سے بھی اس وقت کی پوری دنیا میں اہم اور سربلند ہو گیا تھا۔ سوتی اور ریشمی کپڑوں کی تجارت کے ساتھ ساتھ بغداد کے رومال اور عمامے اس دور میں بھی بے حد شہرت یافتہ تھے۔

عوامی فلاحی حوالے سے اور دینی تبلیغ کی خاطر مدارس کے فروغ کے لئے خلیفہ الموافق نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں قریباً تین لاکھ مساجد تعمیر کرا دی تھیں۔ پھر لوگوں اور تاجر پیشہ مسافروں کی سہولت اور آرام کی خاطر بغداد میں حماموں کی تعمیر بھی بدستور ہوتی رہی۔ ایک وقت میں بغداد میں کم و بیش ساٹھ ہزار حمام بھی موجود تھے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ ایک حمام قریباً ایک سو گھروں کے کام آتا تھا۔ اس سے شہر کی آبادی اور اس کی وسعت اور ترقی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بغداد کے خلفاء نے بدستور سرپرستی جاری رکھی۔ اس طرح دورِ عباسی میں تو بغداد اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اس شہر کی لاتعداد اور نہایت خوبصورت مساجد نے اسے بہت شہرت بخش رکھی تھی۔ پھر ان مساجد میں اسلامی علوم اور تعلیمات کے مدرسوں کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا۔ ان کے ساتھ کتب خانے اور پھر ترجمہ کے ادارے بھی موجود تھے۔ بغداد کا "بیت الحکمت" علوم و فنون کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس میں دنیا کی ہر اہم اور بڑی زبان کی کتابوں کے ترجمے کا اہتمام تھا۔ بیت الحکمت کو اس اعتبار سے پوری دنیا کے علوم فنون میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اس سے بڑے اہل فکر و نظر، علماء، دانش ور

اور کئی کئی زبانوں پر عبور رکھنے والے اس عہد کی اسلامی دنیا کے مفکرین اور مترجمین وابستہ تھے۔ دنیا جہاں کے سینکڑوں علوم و فنون اس دور میں بغداد میں موجود تھے۔ علماء اور دانشور ادیان اور فلسفوں کے تقابلی مطالعے بھی کر رہے تھے اور روز افزوں نئے نئے فلسفے بھی پروان چڑھ رہے تھے۔

ولادت حضرت جنید بغدادیؒ

بغداد میں علوم و فنون کے اژدہام کے باعث نوع بہ نوع بحثوں اور افکار و نظریات کی آویزشوں کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ عظمت پسند لوگ اپنے آپ ہی کو سب پر برتر اور فائق سمجھنے لگے تھے۔ ان حوالوں سے شریعت و طریقت کے نظام افکار میں بھی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ "الٰہیات، فقہ، ادب اور فلسفے کے متضاد نظریات پر مبنی کئی ایک مکتبہ فکر وجود میں آ گئے تھے۔ ذہنی انار کی اپنی اس حد تک انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ متشددانہ سیاسی تحریکوں سے معاشرتی و سماجی زندگی دہشت زدہ تھی۔ اباحی اور قرامطہ کی ملحدانہ دیوانگی، بصرہ کے غلاموں کی بے چینی اور طبقاتی کشمکش نے بھی ان نام نہاد ترقی پسندانہ نظریوں کے فروغ کے لئے بنیاد مہیا کی۔ جو شریعت اور طریقت کے درمیان کسی تعلق کو درست قرار نہیں دیتے تھے۔"

ان افکار و نظریات کی موجودگی میں مسلمان خلفاء جو ترقی اور عقلیت پسندی کے فروغ کی خاطر ہر طرح کے علوم و فنون اور نظریات و افکار کی سرپرستی فرماتے تھے۔ ان کی اس روش نے بھی نظریات کو کئی طرح کے سرکاری تحفظات فراہم کر رکھے تھے۔ لیکن اس ساری صورت حال اور تناظر میں بھی بعض علمائے حقہ اپنا اہم کردار ادا کرنے پر مامور تھے۔

اسلامی دنیا کے اسی دور اور تناظر میں ۲۱۰ ہجری (۸۲۵ء) کے قریب حضرت جنید بغدادیؒ ایران کے شہر نہاوند کے ایک خاندان کے گھر بغداد میں

پیدا ہوئے۔ نہاوند شہر کو ایران کے چند ایک خوبصورت شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوالقاسم جنیدؒ کے والد شیشہ گھر تھے۔ اسی حوالے سے وہ محمد قواریری کہلاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ریشم اور ریشمی کپڑے کا کاروبار بھی کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس طرح وہ بغداد میں آتے جاتے رہتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کے والد مستقل طور پر بغداد میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں پر ان کا شیشہ گری کا پیشہ زیادہ منفعت بخش ثابت ہوا تھا۔

حضرت جنید بغدادی ابھی اوائل عمر ہی میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا والد کے انتقال پہ والدہ نے انہیں اپنے بھائی اور جنید کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس دور میں حضرت سری سقطیؒ بغداد کے اہل علم اور معزز لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ علماء، دانشوروں، سیاستدانوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعدد مقتدر لوگوں کے ساتھ ان کے گہرے اور دوستانہ مراسم تھے۔ حضرت سری سقطیؒ کو خود ایک دکان میں مصالحے کا کاروبار کرتے تھے۔ بغداد کے ایک مشہور اور بارونق بازار میں ان کی دکان خاصی مشہور تھی۔ مشہوری ایک خاص وجہ سے تھی کہ وہ عام دوکانداروں اور تاجروں کی طرح صرف جلب منفعت ہی کے پیچھے نہیں رہتے تھے بلکہ وہ ایمانداری اور اصول پرستی سے دکانداری اور تجارت کرتے تھے۔

سری سقطیؒ چونکہ خود بھی اہل علم اور احوال دین و دنیا سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے انہوں نے اپنے بھانجے ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کی ابتدائی تربیت میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے کر انہیں شروع ہی سے اسلامی دینی تعلیمات اور قرآن پاک کے مطالعے میں لگا دیا تھا۔ حضرت سری سقطیؒ خود بھی اللہ پر توکل رکھنے والے تھے لہٰذا انہوں نے اپنے بھانجے کو بھی اللہ پہ توکل ہی کی تعلیم دی۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے دس سال کی عمر تک قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور

ماموں کی محتاط نگرانی میں حدیث کی تعلیم کا بھی آغاز کر دیا تھا. تعلیم حدیث کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کا بھی وہ سبق حاصل کرتے رہے. کتابت حدیث میں ان کے استادِ گرامی کا نام حضرت حسن بن عرفہ بتایا جاتا ہے. تعلیمِ حدیث کے ساتھ کتابت حدیث نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

حضرت سری سقطیؒ خود بھی علمِ توحید میں ایک امتیازی مقام اور مرتبہ رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بھانجے ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو علمِ توحید کا درس دینے میں زیادہ توجہ فرمائی۔ اس کے علاوہ فقہ کی تعلیم بھی دی۔ اس طرح حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اہلِ علم ماموں سری سقطیؒ کے زیر نگرانی جاری و ساری رہا۔

شُکر کا ذِکر :

حضرت سری سقطیؒ خود ایک بہت بڑے عالمِ دین اور بغداد کے مشہور مجلسی بزرگ تھے۔ ان کے گھر پر اکثر اہلِ علم کی مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ بھی ان مجالس میں کسی نہ کسی حیثیت میں شامل رہتے تھے۔ لوگوں کے افکار و خیالات کو وہ بغور سنتے اور پھر ان پر غور و فکر بھی کرتے تھے۔ اب انہیں اس طرح کی مجلسیں حصولِ علم و آگہی کے حوالے سے بہت اچھی محسوس ہونے لگی تھیں۔ ان مجلسوں میں ان کے ماموں بھی ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو بعض اوقات دانستہ بھی شامل رکھتے تھے۔ یوں کبھی کبھار براہِ راست تخاطب بھی ہو جاتا تھا۔

انہی مجالس کا دور تھا اور ابوالقاسم جنید بغدادیؒ ابھی اپنے بچپن ہی میں تھے کہ ایک دن حضرت سری سقطیؒ کے گھر پر ایک مجلس میں شکر کے موضوع پر بات چیت ہو رہی تھی۔ اس مجلس میں علوم و معارف پر بحث کرنے والے کئی جید مشائخ بھی موجود تھے۔ اس بحث و مباحث میں کئی طرح کا اظہارِ خیال ہو رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت جنید بغدادیؒ کی عمر صرف سات سال تھی، اور آ گی

وہ صرف قرآنِ حکیم کے طالب علم تھے لیکن اہل علم کی ایسی متعدد مجالس کو سن چکے تھے۔ اس بحث میں حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بھانجے ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بیٹے بتاؤ کہ شکرِ الٰہی کیا چیز ہے؟

ماموں اور استادِ محترم کے اس بے ساختہ اور فی البدیہہ سوال پر بھانجے اور شاگردِ خاص ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے اپنی کم سنی کے باوجود بڑے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ بصد احترام جواب دیا کہ " لایعصی اللہ بنعمہ " یعنی " اللہ کی نعمت کا کفران نہ کیا جائے۔ اللہ کی ذات پر کسی دوسرے کو ترجیح نہ دی جائے۔"

ابوالقاسم کے اس جواب پر حضرت سری سقطیؒ نے جذبات و احساسات کے ملے جلے انداز میں کہا کہ اے ابوالقاسم جنید مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ تمہیں یہی انداز اور زبان ہی نہ بخش دیں۔

حصولِ علم: حضرت سری سقطیؒ اس قدر علمی بصیرت اور پہنچ کے بعد اپنے بھانجے کے نظریات سے کئی معاملات میں رائے لیا کرتے تھے۔ حضرت سری سقطیؒ نے اب اس دور میں ریشم کا کاروبار بھی شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے بھی اپنے ماموں کی معیت میں ریشم کا کاروبار ہی اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حصولِ علم حدیث کی لگن بھی قائم رکھی۔ حضرت جنیدؒ اپنا بیشتر وقت گھر پر مطالعہ اور دینی علمی مجالس ہی میں گزارتے تھے۔ گھر پر ہونے والی مجالس نے انہیں اس عہد کے تمام ہم عصر نظریوں اور فلسفوں سے آگاہی بخش دی تھی۔ بیس سال کی عمر تک ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے فقہی مسائل میں بھی خاصی دسترس حاصل کر لی تھی۔ دینی مسائل اور فقہی امور میں حضرت جنید بغدادیؒ کا فکر و فلسفہ اور انداز و اسلوب قدرے ترقی پسندانہ تھا۔ ان فقیہانہ تعبیرات اور توضیحات میں بھی یہی انداز کارفرما تھا۔

یوں رفتہ رفتہ حضرت جنید بغدادیؒ کی فقہی بصیرت اور آگہی بجا طور پر مشہور ہوتی

گئی۔ اسی دوران میں حضرت جنید بغدادیؒ نے حارث المحاسبیؒ جیسے کامل اور جید عالم کی صحبت اختیار کر لی تھی۔ حضرت حارث المحاسبیؒ کی صحبت نے ان پر اپنا رنگ چڑھایا۔ یوں وہ لذتِ تصوف سے آشنا ہوتے گئے۔ حضرت حارث المحاسبیؒ خود بھی صوفیانہ کی متعدد اہم کتابوں کا عمیق مطالعہ کر چکے تھے۔ اس حوالے سے حارث المحاسبیؒ کے افکار اور تعلیمات نے بجا طور پر حضرت جنید بغدادیؒ پہ گہرے اثرات چھوڑے۔ پھر ایک مدت کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ نے سوالات کر کر کے حضرت حارث المحاسبیؒ سے تعلیمات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ پھر متعدد تذکرہ نگاروں نے حارث المحاسبیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے تعلقات کو خاص مقام دیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ جس قدر علم و فضل سے فیض یاب ہوتے جاتے تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ غور و فکر کی خاطر تنہائی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ بلکہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے تنہائیاں پسند ہیں۔" اور وہ بجا طور پر تنہائی میں خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مباحث میں حصہ لینے کی بجائے دوسروں کے افکار و نظریات کو سننے پر زیادہ توجہ دیتے اور اسی پہ غور و فکر کرتے۔

حضرت حارث المحاسبیؒ چونکہ خود بھی ایک روشن خیال اور منور ضمیر صوفی تھے۔ علم الٰہیات پہ ان کی گہری نظر تھی اس کے باوجود وہ خود آزاد خیال صوفیانہ اندازِ فکر کے حامل تھے۔ میانہ روی کے حامی تھے۔ الہام سے وہ دور بھاگتے تھے۔ ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا راز قرآن مجید ہی کے گہرے اور عمیق علم میں ہے۔ اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ کے الٰہیات کے بارے میں نظریات قرآن و سنت ہی پہ مبنی تھے۔ اس کے برعکس حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے ماموں کی نصیحت کے مطابق حضرت حارث المحاسبی کی فکری و نظری بحث و استدلال اور معتزلہ کے بارے میں محتاط رویہ ہی اختیار کیا۔ بہر صورت حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت حارث المحاسبی کی صحبت میں کم و بیش

دس سال کا عرصہ گذارا۔ اور یہ دس سال انہوں نے ایک مؤدب اور سچے شاگرد کی طرح گزارے اور بڑی عقیدت مندی کے ساتھ تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہوئے

علم کی پیاس :

حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت حارث المحاسبیؒ کی صحبت اور تعلیم و تربیت کے دوران میں یہ جان لیا تھا کہ علوم کو جانے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت جنید بغدادیؒ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے اسی شوق کے تحت علوم حاصل کرتے رہے۔ کبھی خاموشی میں، کبھی اچھے سامع بن کر اور کبھی سوالات کے جوابات حاصل کر کے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگردوں اور ہم عصر بزرگوں کے بیانات اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بلند پایہ عارف اور صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی دینی شعائر کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ظاہری عبادات بھی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ باوضو رہتے میں وہ زیادہ سکون اور راحت محسوس کرتے تھے حضرت جنید کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کوئی ثبوت میسّر نہیں آتا۔ البتہ اپنی گزر بسر اور مہمان نوازی کی خاطر ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ اسی تجارت کے حوالے سے انہیں سیر و سیاحت کے مواقع بھی ملتے رہتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی دنیاوی زندگی کی ضرورتوں کو بے حد محدود اور سادہ رکھا ہُوا تھا۔ وہ کسی طرح کے اسراف کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ البتہ مہمان نوازی اور دوستوں کی خاطر و مدارات میں بخل سے کام نہ لیتے۔

صوفیانہ تعلیمات :

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے صوفیانہ افکار و نظریات میں ایک میانہ رو اور اعتدال پسند صوفی اور عارف ہیں۔ ان کی تعلیمات میں ذات باری کے ساتھ رابطہ اور تعلق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کو کوئی ماورائی

شئے تصور نہیں کرتے تھے اور نہ اسے عقلیت پسندی ہی کے تابع گردانتے تھے۔ وہ ہر طرح کے تصوف کو اسلام کی مروجہ تعلیمات سے برقرار رکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی اسی بصیرت کی بدولت صوفیہ کے الگ الگ نظریات کے حوالے سے گروہی تقسیم کا کام بھی لیا۔ وہ توحید کے سختی سے پابند تھے اور توحید کی بنیاد اسلام تعلیمات اور قرآنی سرچشموں پر رکھتے تھے۔ وہ احادیث نبوی سے ثابت کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا وجود ہے جس سے لو لگائی جا سکتی ہے۔ اسی کے بارے میں غور کیا جائے اور انسان اس کی با اختیار قوت کے سامنے صرف ایک پر رہ ہے۔ خدا ہی واحد حقیقت ہے اور یہ دنیائے مظاہر اس وجود حقیقی کا ایک سایہ اور عکس ہے"۔ پھر حضرت جنید بغدادیؒ بندے اور خالق کے درمیان کو عبور کرنے کا ذریعہ صرف تصوف ہی کو قرار دیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے نظریۂ تصوف میں تصوف کو رہبانیت کے قریب لے جانے کے بجائے عمل کی جانب گامزن کرتے ہیں۔ وہ تصوف اختیار کر کے معاشرتی اور سماجی زندگی کو تیاگنے کے قائل نہیں بلکہ انسانوں ہی کے اندر رہ کر ہر طرح کی ذمے داریاں پوری کرتے ہوئے تصوف اختیار کرتے ہیں۔ وہ تصوف میں بے عمل ہونے کے بجائے ایک فعال اور موثر عامل بننے پر توجہ دیتے ہیں۔

توحید کے بارے میں: حضرت جنید بغدادیؒ کا اپنے خالق حقیقی کے بارے میں جو واضح تصور ہے اس کی جھلک صحائف سابقہ کی تعلیمات میں بھی ملتی ہیں۔ توحید کے حوالے سے ان کے نظریات بڑے واضح ہیں۔ وہ وجود باری سے وابستگی ہی کو سب کچھ تصور کرتے ہیں۔

• امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں نے توریت سے بارہ کلمات اخذ کئے ہیں جن پر روزانہ تین بار غور کرتا ہوں۔ وہ کلمات درج ذیل ہیں:

(۱) حق جلّ وعلاء فرماتے ہیں کہ اے ابنِ آدم تجھ کو کسی حاکم اور دشمن حتیٰ کہ جنّ اور شیطان سے بھی جب تک میری حکومت یعنی بادشاہت باقی ہے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے۔

(۲) اے آدم کے بیٹے، تو کسی قوت اور طاقت اور کسی کے باعثِ روزی ہونے کے سبب مرعوب نہ ہو۔ جب تک کہ میرے خزانہ میں تیرا رزق باقی ہے اور میں تیرا حافظ ہوں اور یاد رکھ کہ میرا خزانہ غیر فانی اور میری طاقت باقی رہنے والی ہے۔

(۳) اے بیٹے آدم کے جب تو ہر طرف سے عاجز ہو جائے اور کہیں سے کچھ بھی تجھ کو نہ ملے اور کوئی تیری فریاد سننے والا نہ ہو، ایسی کسمپرسی کی حالت میں اگر تو مجھ کو یاد کرے اور مجھ سے مانگے تو میں یقیناً فریاد کو پہنچوں گا اور جو تو طلب کرے گا وہ دوں گا کیونکہ میں سب کا حاجت روا اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہوں۔

(۴) اے اولادِ آدمؑ، میں بہ تحقیق تجھ کو دوست رکھتا ہوں تجھے بھی چاہیئے کہ میرا ہو جا اور مجھے یاد رکھ۔

(۵) اے آدم کے بیٹے جب تک تو پُل صراط سے پار نہ ہو جائے تو میری جانب سے بے فکر مت رہ۔

(۶) اے آدم کے بیٹے، میں نے تجھے مٹی سے پیدا کیا اور نطفہ کو رحمِ مادر میں ڈال کر اس کو جما ہوا خون کر کے گوشت کا ایک لوتھڑا بنایا، پھر رنگ و صورت

اور شکل تجویز کر کے ہڈیوں کا ایک خول تیار کیا۔ پھر اس کو انسانی لباس پہنا کر اپنی رُوح اس میں پھونکی، پھر مدت معیّنہ کے بعد تجھ کو عالم اسباب میں موجود کر دیا۔ تیری اس ساخت اور ایجاد میں مجھے کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔ پس اب تو سمجھ لے کہ میری قدرت نے ایسے عجیب امور کو پایۂ تکمیل پہنچایا کہ وہ تجھ کو دو روٹی نہ دے سکے گی، پھر تو کس وجہ سے مجھ کو چھوڑ کر غیر سے طلب کرتا ہے۔

(۷) اے آدم کے بیٹے، دنیا کی تمام چیزیں تیرے ہی واسطے پیدا کی ہیں اور تجھے خالص اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے مگر افسوس تو نے ان اشیاء پر جو تیرے لئے پیدا کی گئی تھیں اپنے آپ کو قربان کر دیا اور مجھ کو بھول گیا۔

(۸) اے آدم کے بیٹے، دنیا کی تمام چیزیں اور تمام انسان مجھے اپنے لئے چاہتے ہیں اور میں تجھ کو صرف تیرے ہی لئے چاہتا ہوں، اور تو مجھ سے بھاگتا ہے۔

(۹) اے آدم کے بیٹے، تو اپنی اغراض نفسانی کی وجہ سے مجھ پر غصہ کرتا ہے مگر اپنے نفس پر میرے لئے کبھی غصہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) اے آدم کے بیٹے، تیرے اوپر میرے حقوق ہیں اور مجھ پر تیری روزی رسانی مگر تو میرے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن میں پھر بھی تیرے کردار پر خیال نہ کرتے ہوئے برابر تجھے رزق پہنچاتا رہتا ہوں اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(۱۱) اے آدم کے بیٹے، تو کل کی روزی بھی مجھ سے آج ہی طلب کرتا ہے اور میں تجھ سے اس روز کے فرائض کی بجا آوری آج نہیں چاہتا۔

(۱۲) اے آدمؑ کے بیٹے، اگر تو اپنی اس چیز پر جو میں نے تیرے مقسوم میں مقدر کر دی ہے راضی ہوا تو بہت راحت اور آسائش سے رہے گا اور اگر تو

اس کے خلاف میری تقدیر سے جھگڑا اور اپنے مقسوم پر راضی نہ ہوا تو یاد رکھ کہ میں تجھ پر دنیا کو مسلط کر دوں گا۔ وہ تجھے خراب و خستہ کرے گی اور تو کتوں کی طرح دروازوں پہ مارا مارا پھرے گا۔ مگر پھر بھی تجھ کو اسی قدر ملے گا جو میں نے تیرے لئے مقرر کر دیا ہے۔"

(از نذرانہ مرشد: حکیم پیر سید محمد انور جیلانی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بیان کردہ توریت کے ان کلمات میں آدمی کی اپنی حقیقت، اللہ تعالیٰ کی چاہت اور محبت اور بندے کے فرائض کی جانب واضح اشارات موجود ہیں۔ انہی حوالوں سے حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا وجود ہے جس سے لو لگائی جا سکتی ہے۔ اور معرفتِ الٰہی بندے کو ایک بلند مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ معرفت کا ماخذ و منبع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات باری ہوتی ہے۔"

فنائے صفت: حضرت جنید بغدادیؒ انسان کو اپنے آپ کے عاری اور اپنی ذات کے شعور سے بے نیاز ہونے کو فنائے صفت کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک فنا کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ بندہ اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی قید سے آزاد ہو جائے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنے نفس کی ہر خواہش سے دستبردار ہو جائے اور سوم یہ کہ بندہ تجلیاتِ الٰہی میں اپنے وجود سے بھی ماورٰی ہو جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فنا کے اس عمل کی تکمیل کو حالتِ الوہی کا نام دیتے ہیں۔ اس حالت میں بندہ اپنے وجود سے عاری ہو کر اپنی انفرادیت کو کھو دیتا ہے پھر اس کا وجود وجودِ باری کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔

حالتِ الوہی میں اللہ کے بندے پہ اللہ تعالیٰ کا وجود چھایا رہتا ہے اس

حالت میں ذات خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی بلکہ بندہ خود ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے موجود ہوتا ہے۔ بندے کا اپنا وجود بھی برقرار رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات اس پر غالب رہتی ہے وہ اللہ کے حصار میں رہتا ہے اس طرح ایک عبادت گزار اپنی ذاتی صفات سے گزر کر حالتِ الوہی میں آجاتا ہے اور اس پر پوری طرح اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یوں وہ احکام الٰہی کی پابندی اور سماجی پابندیوں سے بھی ماورا ہو جاتا ہے۔ یہ نظریہ حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک منفی نظریہ ہے اور اس سے ذہنی بے راہ روی آتی ہے۔ اس طرح بندہ اعمال خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ " اگر میری عمر ایک ہزار سال بھی ہو تو میں یہ کبھی پسند نہیں کروں گا کہ اعمال خیر کے سلسلے میں ذرہ بھر بھی کمی ہو "

حضرت جنید بغدادیؒ فنائے صفت میں بحالیٔ ہوش کے نظریئے کے بھی قائل ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ توحید حقیقی کا فہم وادراک بحالیٔ ہوش اور عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ خود اسرار و رموز کو لوگوں پر بے جا کھولتے نہیں ہیں بلکہ وہ فہم وادراک کا حصہ بنا لیتے ہیں۔

نفیٔ ذات: حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اگر اپنے خالق و مالک سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے تو اس لیے شرط اولین یہی ہے کہ وہ اپنی ذات کی نفی کر دے کیونکہ اپنے مقصود کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ اپنی ذات کی سب سے پہلے نفی کرے۔ اس نفی ذات کے مرحلے میں صوفی ایک وجد آفریں مدہوشی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ کہ جب وجد آفریں مدہوشی طاری ہوتی ہے۔ بڑا نازک اور احتیاط و حزم کا متقاضی ہوتا ہے۔ اگر اس مرحلے پر صوفی اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے سرخرو ہو جائے پھر اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام و اکرام موجود ہوتے ہیں۔ لیکن

اگر وجد آفریں مدہوشی کے عالم میں صوفی بہک جائے یا ضبطِ نفس کی راہ سے ہٹ جائے تو اس کے لئے دُوری ہے اور اس کا ذہنی توازن بھی بگڑ جاتا ہے۔

نفی ذات کا ایک لازمہ یہ بھی ہے کہ بندہ فنائے صفت کے حوالے سے اپنی ہر طرح کی بصیرت اور عقل و خرد سے بھی مکمل طور سے دستبردار ہو جائے اس طرح بندہ اپنے رب کی تلاش و جستجو میں آلام و آفات کو اور ان مرحلوں میں وارد ہونے والی کیفیات کو وہ اللہ کی جانب سے ایک نعمت جان لیتا ہے۔ پھر اس مدت میں بندے کی اپنی ذات، ذاتِ الٰہی سے متحد ہو کر اسی کے ساتھ ہمکنار ہو جاتی ہے۔ وہی ذات باری اس ذات کی انتہا ہوتی ہے۔

معرفتِ الٰہی: معرفتِ الٰہی کے حوالے سے حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی چاہے ایک ولی کو ہو یا عام آدمی کو حاصل ہو، اس کی ایک ہی نوعیت ہوتی ہے۔ البتہ اس کے درجات میں فرق اور امتیاز ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ولی کا علم عام آدمی سے زیادہ گہرا اور عمیق ہوتا ہے لیکن ذات حق کا مکمل علم کسی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے لیکن انسانی عقل اس کا کامل احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے محدود ہے۔

اولیاء اللہ اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں عام لوگوں کے مقابلے میں بہت بلند درجے پر ہوتے ہیں۔ اس طرح بعض خواص بھی معرفت کے درجے میں عوام سے بلند ہوتے ہیں۔ اللہ کا علم اپنی پہلی حالت میں انسان سے اعلانِ وحدانیت کرواتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو لاشریک کہلواتا ہے۔ معرفتِ الٰہی کی گہرائی بندے کو ایک مرتبۂ بلند پر فائز کر دیتی ہے اور اس بندے کا دل معرفتِ الٰہی کے نور سے معمور ہو کر منور ہو جاتا ہے۔ اس سطح پر بندہ اپنی بندگی میں خوشی اور انبساط محسوس کرتا ہے اور وہ اس انبساط

سے دور نہیں ہونا چاہتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں حضرت علی بن عثمان الہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی معروف زمانہ کتاب "کشف المحجوب" میں کئی حوالوں سے ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں "کشف المحجوب" میں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

فقر کی تعریف: حضرت جنید بغدادیؒ نے فقر کی تعریف کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ "فقر نام ہے تمام توہمات سے دل کا خالی رکھنا"۔ اور پھر مزید فرمایا کہ "اے جماعت فقرا تم عارف بحق ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو اور یہی شان تمہاری عزت کی موجب ہے تو تمہیں لازم ہے کہ اپنی خلوتوں میں ہوشیار رہو"۔

تصوّف کیا ہے: بقول حضرت جنید بغدادیؒ "تصوّف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا بندہ کے لئے تو فرمایا: بمعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے لیکن اسماً صفت بطور مجاز بندہ کے لئے ہوتی ہے۔"

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتداء سے صوفی، صوفی بنتا ہے۔

(۱) سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حاصل کرے۔ وہ وہ بھی کہ رضائے محبوب میں اپنے لخت جگر کو فدا کر دیا۔

(۲) رضا حضرت اسحٰق علیہ السلام (شاید یہاں مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہے) کی اقتداء میں رضائے مولا پر اس درجہ راضی ہو کہ جان کی پرواہ نہ کرے۔

(۳) اور صبر ایوب علیہ السلام کے اقتداء میں کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو

تو بخوشی برداشت کرے اور یہ غیرت رحمانی پر صبر سے کام لے۔

(۴) اور اشارہ زکریا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "تم لوگوں سے تین دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارے سے رمز سے۔ پھر قرآن مجید میں آیا کہ "جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا خفیہ طور پر" تو صوفی کو بھی اشارہ کی اقتداء کرنا ہوتی ہے۔

(۵) اور غربت یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار، عزیز و اقارب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔

(۶) اور لبس صوف میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ صوف رہتا تھا۔

(۷) اور سیاحت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء ہو کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے ہمراہ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی پی رہا ہے تو اپنے پیالے کو پھینک دیا اور جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کر کے شانہ کا کام لے رہا ہے تو کنگھی بھی ضائع کر دی۔

(۸) اور فقر میں سید الانبیاء حبیب کبریا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کی جائے کہ تا آنکہ حق تعالےٰ شانہ نے خزانہائے روئے زمین کی کنجی حضور کی خدمت میں بھیج دی اور فرمایا "اے محبوب اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالیئے اور خزانوں سے جس قدر چاہیئے خروج فرما کر اپنی شان تجمل دوبالا کیجئے۔ حضور سید یوم النشور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ جل مجدہٗ میں عرض کی کہ الٰہی میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں

کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ اور یہ اصول معاملہ تصوف میں بہترین خصلت ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے باب الطلاق میں ایک ترسا (عیسائی) کو دیکھا بڑا خوبصورت جوان تھا۔ میں نے دعا کی الٰہی اس جوان حسین کو میرے کام کا بنا دے۔ اس لئے کہ تو نے اسے بڑا حسین بنایا ہے۔ تھوڑی مدت اس دعا کو گزری تھی کہ وہ ترسا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے شیخ مجھے کلمہ تلقین فرمائیے۔ وہ مسلمان ہو گیا اور جماعت اولیاء میں سے ایک ولی نکلا۔

مرتبۂ مرشد: اور مشہور ہے کہ زمانہ حیات سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے عرض کی ہمیں کچھ فرمائیے تاکہ ہمارے دل سکون و راحت پائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا جب تک میرے شیخ حضرت سری سقطی جلوہ آرائے مسند ظاہر ہیں کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں۔ یہاں تک کہ ایک رات خواب استراحت میں تھے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضورؐ فرما رہے ہیں، جنید لوگوں کو کچھ سنایا کر واس لئے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ میں اپنے مرشد کے درجہ سے اتنا بلند ہو گیا ہوں کہ حضورؐ نے مجھے حکم دعوت فرمایا۔ جب صبح ہوئی حضرت سریؒ سقطیؒ نے ایک مرید بھیجا اور حکم دیا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہوں تو کہو کہ میرے مریدوں کی درخواست تم نے رد کر دی اور انہیں کچھ نہ سنایا۔ شیوخ بغداد نے سفارش کی اسے بھی تم نے رد کر دیا۔ میں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمادہ وعظ نہ ہوئے۔ اب جبکہ پیغمبر اسلام صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تمہیں ملا ہے لہٰذا اس حکم کی

تعمیل کرو۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ حضور جو میرے دماغ میں افضلیت کا سودا سمایا ہے وہ جاتا رہا ہے اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کامل میرے تمام حالات ظاہر و باطن سے مشرف ہے اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند ہے۔ اور آپ یقیناً میرے اسرار پر مطلع ہیں۔ اور میں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں اور اپنی اس غلطی سے استغفار کرتا ہوں، جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

اللہ کے ولی والیان اسرار ہوتے ہیں: ایک واقعہ ہے کہ حضرت جنیدؒ سے آپ کا ایک مرید کچھ بد اعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب میں کس کس درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کچھ اعراض کر لیا۔ چند روز بعد اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا حال جنیدؒ پر منکشف بھی ہوا کہ نہیں اور حضرت جنید اپنے نور فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے جب وہ مرید آیا آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، کیسا جواب چاہتا ہے الفاظ و عبارات میں یا حقیقت معنی میں؟ مرید نے عرض کی۔ دونوں طرح۔ آپ نے فرمایا عبارتی جواب تو یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کی بجائے اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا۔ اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔ اور معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے تیرے منصب ولایت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ چیخنے لگا اور پکارا کہ حضور راحت یقین میرے دل سے جاتی رہی تو یہ کرنے لگا اور پہلی بکواس سے ہاتھ اٹھایا۔ اس وقت

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیانِ اسرار ہوتے ہیں۔ تجھ میں ان کی کاری ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پہ ماری۔ وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اس دن سے خاصانِ بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے توبہ کرلی۔

ایک حکایت: ابوعبداللہ حضرت احمد بن یحییٰ بن الجلال فرماتے ہیں کہ "ایک دن میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا وہ آتش پرست تھا۔ میں اس کے جمال کو دیکھ کر متحیر ہوگیا اور اس کے سامنے کھڑا ہوگیا کہ حضرت جنید بغدادی میری طرف سے گزرے۔ میں نے عرض کی حضور کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی آگ میں جلاوے گا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا۔ صاحب زادے یہ چند لمحات زندگی کی گرم بازاری ہے۔ جس نے تجھے اس خیال میں پھانسا ہے تو نے اِن چیزوں کو بہ نظرِ عبرت نہیں دیکھا۔ اگر بہ نظرِ عبرت دیکھے تو ہر ذرہ میں ایسے ہی عجائبات موجود ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تو ضرور اس چہ میگوئی اور بے حرمتی سے معذب ہوگا۔

جنید تو یہ فرما کر تشریف لے گئے اور مجھ پہ یہ عذاب آیا کہ کیفِ قرآنی مجھ سے فراموش ہوگیا۔ کئی سال بحضورِ عزّوجل توبہ کرتا رہا۔ تو کہیں جا کر وہ بلا دفع ہوئی اور اب میری ہمت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز پہ التفات کروں۔ یا اپنے وقت کو بہ نظرِ عبرت بھی موجودات میں ضائع کروں۔"

حقیقتِ توحید: حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ "حقیقتِ توحید یہ ہے کہ بندہ مثل ہیکل ہو۔ جریانِ تصوّفِ تقدیر جن میں اس کی قدرت اس پہ ایسا تصرّف کرے کہ وہ اپنے اختیار ارادہ سے خالی ہو اور دریائے توحید اسے فنا نفس خود اور انقطاع دعوتِ خلق کرکے ارادہ حق

پر اپنے کو بے حس کر دے۔ اس مقام پر آجانے کے بعد بندہ کا آخر مثلِ اوّل ہوتا ہے اور وہی ہوتا جو اپنی ہستی سے پہلے تھا۔

عبادات کا تسلسل: حضرت جنید بغدادی رح جب ضعیف ہوئے تو جوانی کے اوراد سے ایک ورد بھی ترک نہ کیا۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور آپ ضعیف ہو گئے ہیں لہٰذا بعض عباداتِ نافلہ ترک فرما دیجیئے۔ فرمایا جو چیزیں ابتداء میں اللہ کے فضل سے میں نے حاصل کیں محال ہے کہ اب انتہا میں چھوڑ دوں۔

حقیقتِ حج: ایک شخص حضرت جنیدؒ رح کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس سے پوچھا۔ تم کہاں سے آئے ہو۔ اس نے کہا حضور حج کر کے آیا ہوں۔ جنید نے فرمایا۔ تم حج کر کے آئے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل سوالات کیئے۔

جنید:۔ جب تو بہ نیتِ حج گھر سے نکلا اور اپنے وطن سے کوچ کیا تو اس وقت سب گناہوں سے بھی کوچ کیا تھا کہ نہیں؟

حاجی:۔ حضور یہ تو نہیں کیا۔

جنید: تو پھر گھر سے چلا ہی نہیں۔ اچھا جب تو گھر سے چلا اور منزل پہ قیام کیا تو راہِ حق یعنی طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں؟

حاجی:۔ حضور اس کی تو مجھے خبر ہی نہیں تھی۔

جنید:۔ تو پھر تو نے منزلیں بھی طے نہ کیں۔ اچھا جب تو نے احرام باندھا تو میقات میں صفاتِ بشریت سے علیحدگی کی جس طرح کپڑے اور عادات سے علیحدگی کرتے ہیں۔

حاجی: حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

جنید : تو اس کے معنی ہیں کہ تم نے احرام بھی نہیں کیا۔ اچھا جب تو عرفات میں کھڑا تھا تو تجھے کشف و مشاہدہ کا فرق واضح ہوا ؟

حاجی : حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

جنید : تو گویا تو عرفات میں بھی نہیں ہوا۔ اچھا تو مزدلفہ پہنچا تو تم نے تمام نفسانی مرادیں ترک کیں ؟

حاجی : حضور۔ نہیں۔

جنید : تو گویا تو مزدلفہ بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو نے طوافِ بیت کیا تو بہ چشمِ سر تنزیہ کے مقام میں لطائفہ جمالِ حق دیکھے ؟

حاجی : حضور نہیں دیکھے۔

جنید : اچھا تو گویا تُو نے طواف بھی نہیں کیا۔ اچھا یہ تو بتا۔ جب تو نے صفا مروہ کی سعی کی تو تجھے صفا کا مقام اور راہِ حق پر گزرنے کا درجہ معلوم ہوا ؟

حاجی : حضور! مجھے اس کی تمیز ہی نہیں تھی۔

جنید : تو اچھا تو ابھی تُو نے سعی صفا و مروہ بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو منا میں پہنچا تو تیری ہستی، تجھ سے ساقط ہوئی ؟

حاجی : نہیں۔

جنید : تو گویا تو منا بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو قربان گاہ میں پہنچا اور قربانی کی تو تو نے خواہشاتِ نفسانیہ کو قربان کیا۔

حاجی : حضور، ایسا نہیں کیا۔

جنید : تو گویا تُو نے قربانی بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو رمی جمار کر رہا تھا تو اس وقت تُو نے اپنی خواہشات جو تجھ میں تھیں وہ بھی پھینکیں ؟

حاجی : نہیں۔

جنید: تو گویا تو نے رمی بھی نہیں کی اور تو نے حج ہی نہیں کیا۔ واپس جا اور ایسا حج کر جو ہم نے تجھے بتایا ہے، تو اس کے بعد تُو مقام ابراہیم پر پہنچے گا۔

نظارۂ حق: حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں اگر خداوند فرمائے کہ مجھے دیکھ، مَیں کبھی نہ دیکھوں۔ کیونکہ دوستی کے عالم میں آنکھ غیر اور بیگانہ ہوتی ہے اور غیر کی غربت مجھے دیدار سے روکتی ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں بلاواسطہ چشم دوست کو دیکھتا ہوں تو مَیں کسی واسطہ کا کیا کروں۔ "بے شک میں تیری طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوں تو آنکھ بند کر لیتا ہوں جب تیری طرف نظر کرتا ہوں۔ گویا آنکھوں سے دیکھنے میں دریغ اس لئے ہے کہ آنکھ بیگانہ ہوتی ہے"۔

حضرت جنید سے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں فرمایا۔ نہیں چاہتا۔ عرض کیا گیا۔ کیوں۔ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تو نہ دیکھ سکے اور ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ چاہا تو دیکھ لیا۔ اس لئے کہ ہماری خواہش ہی دیدارِ حق کے لئے حجابِ اعظم ہے۔ اور جب دنیا میں ارادت کامل ہو جائے تو مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور جب مشاہدہ ہو جائے تو دنیا و عقبیٰ یکساں ہے۔

اُنس کا مقام: حضرت جنید سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے جنگل میں ایک درویش کو دیکھا۔ خارِ مغیلاں پر بیٹھا تھا اور وہ جگہ سخت تکلیف دہ تھی۔ مَیں نے اس سے دریافت کیا کہ بھائی تو یہاں ایسی سخت جگہ پر ایسے آرام سے کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا ایک وقت تھا جو یہاں ضائع ہوا ہے۔ اب یہاں بیٹھا ہوں اور غم کھاتا ہوں۔ مَیں نے پوچھا یہاں تو کتنی مدت سے ہے۔ اس نے کہا بارہ سال سے۔ اب اگر شیخ مجھ پر توجہ کرے تو مَیں کامیاب ہو جاؤں اور وقت حاصل کر لوں۔

حضرت جنید فرماتے ہیں مَیں چل دیا اور حج ادا کر کے اس کے لئے دُعا کی جو

اللہ نے قبول فرمائی۔ وہ کامیاب ہو گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اسے وہیں بیٹھا دیکھا۔ میں نے کہا۔ اے جواں مرد۔ اب تجھے وقت مل گیا ہے۔ اب یہاں سے کیوں نہیں گیا۔ عرض کہ اے شیخ میں نے قدامت اختیار کی ہے۔ جو جائے وحشت تھی اور میں نے جہاں سرمایہ گم کیا تھا۔ وہ مل گیا تو اب کیا یہ جائز ہے کہ جہاں سے سرمایہ ملا اس جگہ کو چھوڑ دوں۔ یہ میرے انس کا مقام ہے۔ آپ تشریف لے جائیں کیونکہ میں اپنی خاک یہاں کی خاک میں ملاؤں گا اور بروز قیامت اسی خاک سے سر اُٹھاؤں گا۔ کہ میرے انس کا سرمایہ اور سرور کا مقام یہی ہے۔

صاحبِ حجرہ: لوگوں نے جنید بغدادیؒ سے پوچھا کہ اگر ہم عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کلیسا جائیں تو جائز ہے۔ یعنی اس ارادہ سے وہاں جائیں کہ ان کی ذلت اور کج فہمی دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اپنی نعمتِ اسلام پہ شکر کریں تو پھر اس میں ہمارا مؤاخذہ نہ ہو گا۔ شیخ نے فرمایا اگر تم ایسے ہو کہ وہاں جا کر واپس آتے ہوئے ان میں سے چند آدمی اپنے ساتھ لاسکو تو تمہارے جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر تم اس قابل نہیں ہو تو ہرگز نہ جاؤ۔ اس لئے کہ اگر صاحبِ حجرہ شراب خانہ میں جاتا ہے تو خراباتی کہلاتا ہے اور خراباتی حجرہ میں آتا ہے تو صاحبِ حجرہ کہلانے لگتا ہے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کے مشہور زمانہ "رسالہ قشیریہ" میں بھی حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں کئی واقعات اور تعلیمات کا ذکر موجود ہے۔ ذیل میں "رسالہ قشیریہ" میں منتخب واقعات اور تعلیمات پیش کی جاتی ہیں۔

توحید کی تعریف: حضرت جنید بغدادی سے کسی نے توحید کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "کمال احدیّت کے ساتھ اس کی وحدانیت کو حق جان کر اللہ کو ایک فرد یکتا جاننا۔ وہ ایسا ایک ہے

جس نے نہ کبھی کو جنا اور نہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اس کا نہ کوئی مدِمقابل ہے نہ کوئی مثل اور نہ کوئی ہم شبیہ، بغیر اس کی کوئی تشبیہ یا کیفیت یا صورت یا مثال بیان کی جائے اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔"

اسی طرح وہ مزید بتاتے ہیں کہ "توحید یہ ہے کہ تو یہ بات مان لے اور اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا ہے، نہ کوئی اس کا ثانی ہے اور نہ کوئی چیز اس کے جیسے افعال کر سکتی ہے۔"

اس انداز میں حضرت جنید بغدادی اپنے خاص اسلوب میں تصوف کی بھی بڑی سادہ سی تعریف یوں فرماتے ہیں کہ "تصوف یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی اور چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔"

توحیدِ خاص: انہوں نے توحید کے متعلق انسانی عقل کی انتہا کے حوالے سے فرمایا کہ "جب عقل مندوں کی عقلیں توحید کے متعلق انتہا تک پہنچ جائیں تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔"

پھر وہ بندے کا اسی توحید میں درجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ "یہ عارف باللہ کے دل کی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں، اور اس میں لاتعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسا ہی رہتا ہے جیسا ازل میں تھا۔" اسی حوالے سے انہوں نے ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا کہ "توحید خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم مردہ کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام قدرت اور اس کی تدبیروں کا تصرف اس میں جاری ہو۔ اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہے نہ اسے یہ خبر ہو کہ مخلوق اسے پکار رہی ہے اور نہ ان کی دعوت کو قبول کرنے کا خیال پیدا ہو۔ یہ فنا نفس کے لیے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور واحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فنا،

نفس یہ ہے کہ اس کے تمام حس و حرکت ختم ہو چکے ہوں اس لئے حق تعالیٰ ان تمام امور میں جو اس بندے سے چاہتا ہے، خود اس کا ضامن و کفیل ہو۔ بایں طور کہ بندے کی انتہا لوٹ کر ابتدا کی طرف آجائے اور وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔"

پھر حضرت جنید بغدادی توحید کے متعلق فرماتے ہیں کہ بہترین قول وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنے جاننے کی صرف ایک ہی راہ بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے عاجز ہے۔"

محبت کی تشریح:

حج کے موقع پہ کہ ابھی حضرت جنید بغدادی زیادہ معمر نہیں ہوئے تھے بعض مشائخ میں سے کسی نے محبت کی بحث چھیڑ کر حضرت جنید سے کہا کہ اے عراقی! تو بھی کچھ بیان کر۔ اس پر حضرت جنید نے سر جھکایا اور رونے لگ گئے اور پھر یوں کہا۔" اے بندہ ہے جو اپنے آپ کو کھو چکا ہے۔ اپنے رب کا لگاتار ذکر کرتا ہے اور اس کے حقوق برابر ادا کئے جا رہا ہے اور دل کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ ذاتِ خداوندی کے انوار نے اسے جلا دیا ہے اور اس کی محبت کے پیالوں سے اس نے صاف شراب پی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیب سے اس کے لئے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ لہٰذا یہ شخص جب گفتگو کرے گا تو اللہ کی مدد سے گفتگو کرے گا اور اگر حرکت کرے گا تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہوگا تو اللہ کے حکم سے۔ لہٰذا یہ شخص اللہ کے ساتھ اللہ کے لئے اور اللہ کی معیت میں ہوگا۔

یہ سن کر تمام شیوخ رو پڑے اور کہا کہ اس پہ کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ خدا تیری حالت درست کرے۔ اے تاج العارفین۔

ایک واقعہ ایک کرامت: ابو عمرانزجاجی فرماتے ہیں کہ "میں جنید کے پاس گیا اور میرا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ آپ نے مجھے ایک درہم دیا۔ میں نے اسے اپنے تہمد میں باندھ لیا۔ اس کے بعد میں جس منزل میں پہنچا وہاں مجھے رفیق مل جاتے اور مجھے ایک درہم کی بھی ضرورت نہ پڑی۔ جب حج کرنے کے بعد واپس آیا تو جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ لاؤ۔ اس پر میں نے آپ کو وہ درہم دے دیا۔ آپ نے پوچھا کیسا گزرا؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ کا حکم ہو کر رہا۔"

جنید بغدادیؒ کے چند خواب: صوفیاء کے نزدیک خوابوں کو ایک اہم مقام دیا جاتا ہے اور بعض خوابوں سے تو یہاں تک بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کے لفظ "بشریٰ" سے اچھے خواب ہوتے ہیں۔ گو خواب وہ خیالات ہوتے ہیں جو دل پہ وارد ہوتے ہیں۔ مزید یہ آں یہ خیالات جو نیند کی حالت میں انسان کے دل پہ وارد ہوتے ہیں۔ کبھی تو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور کبھی انسان کے اپنے ہی دل کی باتیں ہوتی ہیں۔ کبھی فرشتہ کی طرف سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حالات کو اس کے دل میں پیدا کر کے کچھ امور کی معرفت عطا کر دیتا ہے اور اسی حوالے سے ایک حدیث مبارکہ ہے کہ "تم میں سے سب سے سچا خواب اس شخص کا ہوگا جو تم میں سے زیادہ سچ بولنے والا ہوگا۔"

صوفیائے کرام میں حضرت جنید بغدادی کے خوابوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ ذیل میں آپ کے چند خواب بیان کئے جاتے ہیں۔

اللہ کا پسندیدہ عمل: حضرت جنید بغدادی حکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ میں لوگوں کو

وعظ کر رہا ہوں تو ایک فرشتہ آکر کھڑا ہوا اور پوچھا کہ وہ کونسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیئے قریب ترین ہو؟ میں نے کہا۔ وہ عمل جو پوشیدہ طور پر کیا گیا ہو۔ مگر میزان میں پورا ہو۔ جنید کہتے ہیں کہ یہ سُن کر فرشتہ یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ اللہ کی قسم کہ یہ کلام توفیق یافتہ کلام ہے۔

صِدق کیا ہے؟ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ تو ایک نے مجھ سے پوچھا۔ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا "عہد پورا کرنا" دوسرے نے کہا یہ سچ کہتا ہے۔ پھر دونوں اوپر چلے گئے۔

اعلائے حق: حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حق سبحانہٗ نے مجھ سے پوچھا کہ "یہ گفتگو جو تم کرتے ہو کیسے حاصل کی؟" میں نے عرض کی۔ "یہ اس لئے ہے کہ میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔

ایک خواب: کہتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی نے ابلیس کو خواب میں ننگا دیکھا تو پوچھا۔ کیا تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی؟ ابلیس نے جواب دیا۔ یہ لوگ، لوگ نہیں ہیں۔ لوگ درحقیقت تو وہ ہیں جو مسجد شونیزیہ میں ہیں۔ انہوں نے میرا جسم لاغر کر دیا ہے۔ اور جگر جلا دیا ہے۔ جنید فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو مسجد شونیزیہ میں گیا اور وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ فکر و غور میں اپنے سروں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فوراً کہا "شیطان خبیث کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا"۔

حضرت جنید بغدادی اپنے عہد کے ایک عظیم صوفی اور عارف باللہ ہیں۔ تعلقات و روابط علم تصوف میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کے علم و آگہی کا چرچا پورے

عالمِ اسلام میں تھا۔ آپ ایک بہت بڑے عامل صوفی اور اللہ کے عارف تھے۔ عالمِ اسلام اور عراق و ایران کے اکثر مشاہیر آپ سے متعدد معاملات میں استفسار کیا کرتے تھے۔ لوگ ان سے تبادلہ خیال اور خط و کتابت کرتے اور ان کے افکار و خیالات کی بجا طور پر قدر کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا درس اور مجلس اپنے عہد کے چیدہ چیدہ اور علم والے لوگوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اس مجلس میں لوگ ہزاروں میل کا سفر کر کے پہنچا کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں توحید، تصوف اور شریعت کے اسرار و رموز پر اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ لوگ آپ کی تعلیمات اور تاویلات کی تہہ دل سے قدر کرتے اور ان سے ہر طرح رہنمائی حاصل کرتے۔ اس طرح آپ برسوں تک اپنے وعظ و نصیحت اور درس و تدریس سے اللہ کی مخلوق کی ہدایت اور خدمت کا احسن طریقہ ادا کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی اپنے عہد کے تمام اسلامی فرقوں اور طبقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہر طبقہ، خیال کے بڑے بڑے جید علماء بھی انہیں ایک جید عالم اور محقق صوفی کا درجہ دیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کوئی واضح ثبوت میسّر نہیں آئے البتہ رسالہ قشیریہ میں ایک جگہ کسی واقعے میں آپ کی اہلیہ کی موجودگی کا معمولی سا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تعلیمات ہی یہی تھیں کہ "فقر نام ہے تمام توہمات سے دل کا خالی رکھنا۔"

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے دَور کے صوفیاء اور علماء کی دل کی گہرائیوں سے عزت اور قدر کرتے تھے۔ بعض صوفیاء اور علماء کے بارے میں آپ کی رائے اور خیالات اپنی جامعیت کے اعتبار سے لوگوں میں بے حد مقبول ہوئے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی نے ایک پُر عمل صوفی اور اللہ کے عارف کے طور پر پوری

زندگی اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کئے رکھا۔ آپ نے نوے سال کی عمر میں ۲۹۸ ہجری کے لگ بھگ وفات پائی۔ کہا جاتا ہے آپ کے جنازے میں ساٹھ ہزار کے قریب علماء صلحا، عقیدت مند، عوام اور خواص شامل ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں عیسائی اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔

معالی الہمم:

حضرت جنید بغدادیؒ کی تصوف پر کتب اور رسائل کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن ان میں دستیاب رسائل جن کی تعلیمات تصوف کی دیگر کتب میں موجود ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں۔ بہر صورت بعض محققین آپ کے رسائل کی تعداد ایک درجن سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ کئی ایک محتاط اور زیرک تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ کئی رسائل اور کتب غلط فہمی کی بنا پر حضرت جنید بغدادی کے نام سے منسوب ہو گئی ہیں۔ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ "معالی الہمم" بھی اصل میں حضرت جنید بغدادی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ بھی ان سے منسوب ایک رسالہ ہے۔ معالی الہمم کے بارے میں ماہرین کی آرا مختلف ہیں۔ بہر صورت یہ رسالہ اپنے اسلوب، انداز بیان اور تصوف کے نظریات و افکار کے حوالے حضرت جنید بغدادی ہی کی تعلیمات اور نظریات کے قریب ہے بلکہ ان میں حضرت جنید بغدادی کے افکار و خیالات کی واضح جھلک اور صاف گونج سنائی دیتی ہے۔

"معالی الہمم" کو حضرت جنید بغدادی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ نسبت درست ہے یا غلط، لیکن تصوّف کی دنیا میں حضرت جنید بغدادی اور اس کتاب معالی الہمم کی جو اہمیت ہے اس سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔

"معالی الہمم" میں جو دس ۱۰ ابواب ہیں۔ ان کا انداز و اسلوب اور افکار و نظریات کا معیار وہی ہے جو حضرت جنید بغدادی کا ہے ویسے بھی یہ تصنیف جو آپ سے منسوب

کی جاتی ہے اِس کوئی تو نسبت حضرت جنید بغدادی سے ضرور ہو گی۔ چاہے یہ کتاب حضرت جنید بغدادی کے مختلف خطبات کا مجموعہ ہو یا وعظ و نصیحت کا نچوڑ ہو۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ اسے حضرت جنید بغدادی کے بعد کسی نے ترتیب دیا ہو۔ اور اس ترتیب میں کچھ حشو و زوائد کا اضافہ ہو گیا ہو لیکن اصل افکار حضرت جنید بغدادی ہی کے ہوں۔ بہر صورت "معالی الہمم" کو حضرت جنید بغدادی ہی کی نسبت سے شہرت ملی ہے۔ ذیل کی کتاب میں ہم نے معالی الہمم کو زیادہ سادہ، سلیس اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے اس طرح ہر باب میں مزید ضمنی عنوانات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے کہ تاکہ تصوّف کے جملہ دیگر امور پر جدا جدا روشنی پڑ سکے اور اس کتاب میں موجود صوفیانہ افکار زیادہ نکھر کر سامنے آ سکیں۔

ذیل میں حضرت جنید بغدادی کی صوفیانہ تعلیمات میں سے چیدہ چیدہ افکار پیش ہیں:۔

(۱) حضرت جنید اپنے ساتھیوں اور مریدوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا علم (تصوّف و طریقت) قرآن و سنت سے مضبوط ہے۔ جو شخص قرآن کو حفظ نہیں کرتا، حدیث کتابت نہیں کرتا اور فقہ نہیں پڑھتا وہ اس لائق نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

(۲) ہمارا علم یعنی علم تصوّف، حدیث رسولؐ سے گہرا رشتہ رکھتا ہے۔

(۳) ہمارے ظاہری اور باطنی علوم دونوں طرح کے اعمال اور علوم قرآن اور اخبار و آثار رسولؐ سے ثابت ہیں۔

(۴) جُنید سے کسی نے پوچھا "آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا تو انہوں نے اپنے گھر کی سیڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اس سیڑھی کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سامنے تیس سال بیٹھے رہنے سے۔"

۵۔ اسلامی تصوف کی بنیاد قرآن کی تعلیمات، احادیث نبوی ؐ، صحابہ کی پاک زندگی اور تابعین اور تبع تابعین کی پاک سیرت پر ہے۔

(۶) ایک روایت ہے کہ ایک بار حضرت جنید بغدادی نے ایک بزرگ ساتھی حضرت علی بن محمد بن حاتم کو یہ وصیت فرمائی کہ جو علم مجھ سے تحریری طور پر منسوب ہے میرے بعد وہ سب دفن کر دیا جائے، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد کوئی چیز مجھ سے منسوب کی جائے اور تمہارے لئے بس اللہ اور اس کا رسول ؐ کافی ہیں۔ اس کے علاوہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۷) لوگوں کے معاملات میں صوفیا، کو چاہیئے کہ احتیاط سے کام لیں۔ کیونکہ اہل تصوف اپنی گفتگو میں الفاظ پر ایک ظاہری پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ جان لینا ضروری ہے کہ عوام الناس کو کیا بتانا ضروری ہے اور کس امر کو اخفا میں رکھنا ہی بہتر ہے۔

(۸) طریقت کسی بھی حوالے سے رہبانیت کی طرف نہیں جا سکتی۔

(۹) صوفیوں کی صحبت میں مجنوں کا کوئی کام نہیں۔ صوفیوں کی صحبت میں لوگوں کو ہوش و حواس میں بیٹھنا چاہیئے۔

(۱۰) انسان جب خدا کے ساتھ ہو جائے تو پھر اس کا کسی دوسری ہستی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہنا چاہیئے۔

(۱۱) تصوف ایک سعی مسلسل ہے جس میں انسان ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔

(۱۲) انسان کی تمام صفات اصل میں عکسی صفات ہیں۔

(۱۳) اہل عقل کی عقلیں توحید سے متعلق انتہا کو پہنچ جائیں تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔

(۱۴) توحید خالص یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک کے سامنے ایک جسم مردہ

کی طرح بے ارادہ ہو۔

(۱۵) توحید ہی اسلامی تصوف کا محور و مرکز ہے۔

(۱۶) اغنیاء سے محاسبہ فرمایا جائے گا۔ مگر درویشوں سے عذر لیا جائے گا اور عذر خود بھی مرتبہ میں محاسبہ سے زیادہ ہے۔

(۱۷) فقر نام ہے تمام توہمات سے دل کا خالی رکھنا۔ فقیر کو چاہیے کہ اپنی خلوتوں میں ہوشیار رہے۔

(۱۸) تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا بندہ کے لئے۔ تو فرمایا کہ معنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص ذاتِ الٰہی ہے لیکن رسماً صفت بطور مجاز بندہ کے لئے ہوتی ہے۔

(۱۹) ہمارے یہاں مجانین کے لئے صحبت نہیں ہے۔ صحبت کے لئے صحت چاہیئے۔

(۲۰) کفر کی جڑ نفس کے مقصود پر ہے۔

(۲۱) ولی وہ ہوتا ہے جس کو خوف نہیں ہوتا۔

(۲۲) توبہ یہ ہے کہ تائب اپنے گناہ کو بھی بھول جائے۔

(۲۳) روزہ نصف طریقت ہے۔

(۲۴) اللہ کی راہ میں تمام خواہشوں، مانوس پیروں اور بھائی بندوں سے اس طرح کنارہ کش ہو جانا چاہیئے جس طرح ان سے تعلق تھا ہی نہیں۔

(۲۵) صوفی کا دنیا میں کسی چیز سے تعلق نہیں ہوتا سوائے ان دیکھی دنیا کے، اور جب اس کی زبان کھول دی جاتی ہے اور خدا اسے بولنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ کلام کرتا ہے ورنہ وہ خاموش ہی رہتا ہے۔

(۲۶) تصوف کو عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں لہٰذا اس علم کو عام لوگوں سے چھپانا ہی

بہتر ہے۔

(۲۷) ہوش خدا کے معاملے میں انسان کی سلامتی عقل پر دلالت کرتی ہے اور مدہوشی تمنا کی حد سے گزر جانے اور عشق کی انتہا پہ پہنچ جانے کی علامت ہے۔

(۲۸) محبت ایک ایسی حالت ہے جو انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ یہ اتنی پوشیدہ حالت اور پُر از ابہام ہوتی ہے کہ اظہار و بیان میں نہیں آ سکتی اور یہ پوشیدہ حالت ایک عبادت گزار کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچاننے میں مدد کرتی ہے۔ اور اس کے اندر آرزو پیدا کرتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے۔

(۲۹) سخا یہ ہے کہ انسان اپنے اس فعل کو خود بھی سخاوت نہ سمجھے اور نہ کبھی اپنے آپ سے اس کا تذکرہ کرے۔

(۳۰) روحانی ارتقا ہی معرفت اور تصوف کی اساس ہے۔

(۳۱) نفس کی خواہش کے خلاف چلنے سے اس کا درد، علاج اور اس کی تکلیف آرام میں بدل جاتی ہے۔

(۳۲) اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا وجود ہے جس سے لو لگائی جا سکتی ہے۔

(۳۳) تصوف ایک مسلسل عمل ہے جس میں انسان ہمیشہ رہتا ہے، اور اصل و جوہر کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے لیکن ظاہری حالت میں یہ انسانی صفت بھی بن جاتی ہے۔

(۳۴) توحید عقلی ادراک سے ماوراء شئے ہے۔ اس سے راہ کے نشان مٹ جاتے ہیں۔ علامات مدھم ہو جاتی ہیں اور ذاتِ خداوندی جیسی تھی ویسی ہی رہتی ہے اور فہم کا ادراک توحید پہ جا کے ختم ہوتا ہے۔ گویا یہ ایک حالت ثبات و قرار پہ ختم ہوتا ہے۔ توحید جس میں اتنا مکمل اور ہمہ گیر علم شامل ہے کہ اس کی تعریف اور وضاحت ناممکن ہے۔

(۳۵) توحید کا اقرار یہ ہے کہ خدا کے حکم کو ظاہر و باطن میں بیک وقت نافذ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسری ہستیوں سے امید و خوف کے جذبات کو مکمل طور پہ ختم کر دیا جائے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہو انسان کے اس تصور کا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہر انسان اس کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے پکارتا ہے اور وہ اس کا جواب دیتا ہے۔

(۳۶) توحیدِ خالص یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ماتحت ہو کر اپنے ارادے اور خواہش سے دستبردار ہو جائے۔

(۳۷) تمام اسرار و خزائن اور اقوال و افعال کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ اپنے عبادت گزار کو جو وجود بخشتا ہے تو وہ اپنی مشیت کو ان پر جس طرح چاہتا ہے طاری کرتا ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے ہمیشہ صحیح کام اور ہمیشہ حق کی مدافعت ہی کراتا ہے۔

(۴۰) فنا صفت کا مطلب اپنی بصیرت اور عقل و ہوش سے مکمل طور پہ دستبرداری ہے۔ اس طرح بندہ اپنے خدا کی تلاش میں پُر الم کیفیات کو نعمت سمجھ کر قبول کرتا ہے اور اس میں اسے بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

معالی الہمم کے حوالے سے

معالی الہمم میں سے ارشادات: حضرت جنید بغدادی کا اپنا ارشاد ہے کہ "اس کتاب میں غور کرو، اس لئے کہ اس کتاب کو نہایت غور و فکر سے لکھا گیا ہے اور بلند ہمت مردانِ باخدا کے لئے اس کو تصنیف کیا گیا ہے اور یہ کتاب لکھنے کا ارادہ عوام کی یقینی کمزوریوں اور ہمتوں کی پستیوں اور گمان کی برائیوں کو دیکھتے ہوئے

کیا ہے۔ تاکہ اس کتاب کے مطالعے سے" مخفی ہمتیں بلند ہو جائیں۔ اور یقین میں کمال پیدا ہو جائے اور دبی ہوئی عشق کی چنگاریاں دوبارہ روشن ہو کر عشق کی آگ لگا دیں۔ اور جاہلوں کو جہالت کی حیرانیوں سے نکال لیں اور اس کتاب میں ان ہمتوں کا بیان کیا جا رہا ہے اور خواب غفلت میں ہونے والوں کو بیدار کرنے کے لئے کتاب لکھی گئی ہے۔ ذیل میں اس کتاب معالی الہمم ہی میں سے کچھ ارشادات پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ واردات قلبی کو جاننے والا گروہ نہایت مختصر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی مختلف استعدادوں اور ہمتوں کی بنا پر اپنی بقا سے مشرف فرماتا ہے۔

۳۔ کسی کو اس کے مقدر سے زیادہ رزق حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ کسب کرنے سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ تدبیروں ہی سے اس میں زیادتی کی جا سکتی ہے۔ انتہائی لالچ کرنے سے رزق میں کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کو بھی روز اوّل ہی سے تقسیم فرما دیا ہے۔

۴۔ اگر آپ کا ارادہ ذات باری تعالیٰ سے محبت کرنے کا ہے تو اللہ جل شانہ، کی بارگاہ سے نظر کو کسی دوسری طرف ہرگز نہ پھیریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی جلالت شان خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی محبت کے بعد کسی دوسرے طرف نگاہ نہ جائے۔

۵۔ اپنے مولیٰ کو یاد کیا کرو اور اس کی خدمت اختیار کرو اور دنیا کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ دنیا کا طلب کرنا باعث شرمندگی ہے اور آخرت خود تمہاری تابع فرمان ہے۔

۶۔ عارف کامل اپنی حالت میں دونوں جہاں سے نابینا ہوتا ہے۔

۷۔ معرفت جنت کا نام نہیں بلکہ معرفت اللہ کے ولی بن جانے کا نام ہے۔

۸۔ جو اللہ کے سوا کسی چیز پر خوش ہوتا ہے وہ دنیا کا طالب ہوتا ہے۔

۹۔ محبت اللہ کا حق ہے۔ محبت اللہ کے لئے ہے لہٰذا محبت تو اللہ کے لئے ہے تو اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

۱۰۔ عارف کا کم درجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے ایک بار اللہ کہہ کر ہر طرف سے بے خبر ہو جائے۔ اللہ کے سوا اسے کچھ یاد نہ رہے۔

۱۱۔ اگر عارفوں کی ہمتوں پر کائنات کو نثار کر دیں تو ان کے ارادوں میں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں آسکتا۔

۱۲۔ جو اللہ کے سوا کسی چیز پر خوش ہوتا ہے وہ اللہ کا نہیں دنیا کا طالب ہے۔

۱۳۔ عشق ایک مرض ہے۔ عشق کا نہ کوئی علاج ہے اور نہ اس کی کوئی دوا ہے اور نہ غمِ عشق کی کوئی حد ہے۔

۱۴۔ اللہ کے دیدار کے سوا اس کے بندے کے لئے کوئی بڑی راحت نہیں ہے۔

۱۵۔ معرفت کی کوشش میں عارف کے لئے ایک بے مثال لذت موجود ہے۔

۱۶۔ اللہ کے بندوں کا غور و فکر اللہ کی ذات کی عظمت میں ہے۔

۱۷۔ چشمۂ معرفت سے حاصل ہونے والا کاسہ ایک ایسا کاسہ ہوتا ہے کہ اس میں احسان کی خوشبو داخل ہوتی ہے اور عنبرِ عنایت کو ہمت کے پانی میں پکایا ہوتا ہے۔ اس پیالۂ شراب کا نشہ مدامی اور ابد تک کافی ہوتا ہے۔

۱۸۔ عارف اپنے خدا سے اپنی کسی حاجت کی طلب کرنا باعثِ شرم و ندامت سمجھتے ہیں۔ انہیں مالک سے کچھ مانگنے پر حیا روکتی ہے۔

۱۹۔ صیانتِ عزتِ معرفت تو یہ ہے کہ بندہ کسی کے سامنے سائل بن کر کوئی چیز نہ مانگے اور اسی طرح کسی شخص سے کوئی چیز حاجت روائی کے لئے قبول ۔

نہ کرے۔

۲۰۔ غرض کا طریقہ معرفت یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے اس کی معرفت کے سوا کچھ طلب نہ کرے۔

۲۱۔ عارف اپنے جسم و جان اور نفس کی خوشی کی خاطر نہ کچھ کرتا ہے اور نہ طلب کی وادی میں جاتا ہے۔

۲۲۔ ہر سائل کو چاہیئے کہ وہ اپنی عزت نفس کو نہ چھوڑے۔ اگر سائل عزت نفس کو نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی سخاوت اور کرم و احسان کی صفت کو بھی چھوڑتے۔

۲۳۔ "حیا" خوف کی حالت کا دوسرا نام ہے۔

۲۴۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی شخص اپنی ظاہری جسمانی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ صوفی اور عارف اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھوں اور یقین کی بصیرتوں سے دیکھتا ہے۔

۲۵۔ عارف کی شان میں صرف اس قدر کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ حضرات تحقیق کے دائرہ کے امام ہوتے ہیں اور برگزیدہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی حیثیت میں فطری کمالات کی بنا پر حکمت کو پانے والے ہوتے ہیں۔

۲۶۔ مومن کی شان تمام آسمانوں اور زمینوں سے افضل ہے۔ بلکہ عرش و کرسی سے بھی اور باقی تمام مخلوق سے مومن کی شان افضل ہے۔

۲۷۔ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

۲۸۔ معرفت والے اپنے بڑے سے بڑے عمل کو بھی معرفت کی نظر میں حقیر و قلیل سمجھتے ہیں۔

۲۹۔ جس طرح ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے اسی طرح معرفت کے لئے بھی ایک روح ہے۔ معرفت کی روح اللہ کو یاد رکھنا اور غیر اللہ کو بھول جانا ہے۔

۳۰۔ محبوب کی مصیبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ہمیشہ ثابت نہیں رہتی۔

۳۱۔ بندہ دنیا کو اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔

۳۲۔ خود پسندی انسان کو مغرور اور محبت سے دور اور مصیبت و غم کے قریب کر دیتی ہے۔

۳۳۔ ہر شخص کا عمل اس کی باطنی مشکل کے مطابق ہوتا ہے۔

۳۴۔ اللہ کے نزدیک بندے کی قدر و منزلت اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔

۳۵۔ ہر شخص اپنی استعداد و ہمت کے مطابق اپنے حصول کے لئے مقصد و مدعا کا تعین کرتا ہے۔

۳۶۔ اللہ تعالیٰ دنیا طلب کرنے والے کو دنیا دیتا ہے اور عقبیٰ طلب کرنے والوں کو عقبیٰ۔

۳۷۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہے۔

۳۸۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عوض رکھا ہوا ہے۔

۳۹۔ معرفت باری تعالیٰ کے بعد ثواب کی طلب، ہمت کی کمزوری اور معرفت میں کمی کی دلیل ہے۔

۴۰۔ "تمام کائنات میں اور تمام عالمِ آخرت میں اللہ کے پسندیدہ عارف کی ہمت سے بڑھ کر اعلیٰ اور عظمت والی کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ عارف مردِ ربانی ہوتا ہے۔"

محمد علی چراغ

لاہور

۹ مئی ۱۹۹۰ء

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں اور توصیفوں کے لائق ہیں کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور اولیاء کو اعلیٰ ظرف اور بلند ہمتیں بخشیں۔ انہی ہمتوں کی بلندی کے باعث وہ اصفیاء اور اولیاء خالقِ کائنات تک پہنچنے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی نے ان برگزیدہ بندوں کو اپنے قرب و وصال کی لگن دے کر انہیں بلند و بالا حوصلے عطا کئے اور ان کی فکر کو رفعت بخشی اور یہ عنایت بھی فرمائی کہ اپنے ایسے بندوں کو اپنے جمال کی تجلیات سے معمور کر کے انہیں سرفراز فرما دیا۔

ہر طرح کی حمد و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے کیونکہ وہی ہمارا ربّ اور پالنے والا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دَر کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا کسی کے بس میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا نہ تو کوئی سہارا دے سکتا ہے اور نہ اس انسانِ ناتواں کا ذمہ ہی لے سکتا ہے۔ اللہ کے سِوا کوئی سیدھی راہ اور رہنمائی نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ لاشریک ہے۔

وہ اِس قدر مالک و قادر ہے کہ اپنے چاہنے والوں کو اپنے کرم سے دوئی اور شرک سے محفوظ رکھ لیتا ہے۔

اللہ جل شانہ، خاموش رہنے والوں کے صدور میں مخفی ارادوں اور تمناؤں سے بھی بخوبی واقف۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر موجزن محبتوں اور جذبات سے بھی بخوبی باخبر ہیں۔ اپنے ایسے طالبان رہِ حق کی قلبی واردات اور تمام تر کیفیات سے اللہ بے خبر نہیں ہیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور چنیدہ بندوں کو عالی ہمتوں سے سرفراز فرماتے ہیں اور پھر یہی عالی ہمتیں اور بلند نگہی وصالِ ذاتِ باری کا وسیلہ بنتی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم بھی یگانہ اور یکتا ہیں۔ رسولِ خدا محبوبِ حق اللہ کے خاص اور مقرب بندے ہیں، اور اللہ کے رسولِ مقبول ہیں۔ آپؐ کا رتبہ اور منصب تمام مخلوق میں سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ حضور نبیٔ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پوری کائنات میں سب سے اعلیٰ اور اہلِ صدق و صفا میں عالی، اخلاق و مکارم میں سب پر فائق اور سب کے لئے مثال و منبع ہیں۔ حضور نبیٔ اکرم سراپا نور ہیں اور یہ کائنات اور اس کی بلندیاں اور پستیاں انہی کے نور سے معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ ان کا نور ہر جگہ پر موجود ہے۔

حضور پُر نور کے ورودِ مبارک کے صدقے اس زمین پر حق ظاہر و نازل ہوا اور پھر آپ کی رسالت و نبوت کے اظہار سے باطل پاش پاش ہو گیا۔ گویا حق آیا اور باطل مٹ گیا، کیونکہ باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے۔ آپ کے نورِ اقدس سے پوری دنیا منور ہو گئی۔ باطل کی جگہ پہ حق براجمان ہو گیا اور ہر طرح اسی کا نور ظہور دکھائی دینے لگا۔

حضور نبیٔ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے نورانی احسانات و عنایات پر لاکھوں تحسین و تبریک۔ لاتعداد درود و سلام۔ اللہ تعالیٰ آپؐ پہ اور آپؐ کی آل اور متعلقین پہ رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

دعوتِ غور و فکر

میرے بھائیو اور میرے مکرّم دوستو! اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت اور بے پروائی کی نیند سے بیدار فرمائے۔ بھلا روحانی غفلت اور نفسانی خواہشات کے سائیوں میں دبے ہوئے لوگ کب تک سو سکتے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمیں ان لوگوں میں بھی شامل نہ فرما جو ظاہری طور پر بیدار ہونے کے باوجود خوابیدہ ہیں۔ ہمیں وہ درِ رحمت دکھا دے جو تُو نے صدیقین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ اور جس در پر سے صدّیقین نے سب کچھ حاصل کیا ہے اے باری تعالیٰ جو راہِ حق کے شیدائی ہیں انہیں ان کی منزل سے ہمکنار کر دے کیونکہ ہر شخص اور اس کی منزل تیری ہی دسترس اور اختیار میں ہے۔ تیری پناہ اور احاطے سے باہر رہنا کسی کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ اس سے خارج ہونے والے کسی پناہ کو ڈھونڈ ہی نہیں سکتے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہیں وہ ہدایت پانے والے ہیں۔ مگر ان میں سچے اور صدّیقین وہی ہیں جو اہلِ ہمت لوگ ہیں۔ ایسے بلند ہمت لوگ صرف اصفیاء ہی میں سے ابھرتے ہیں اور بلند ہمتوں کے ساتھ رفعت حاصل کرتے ہیں۔

جلوۂ حق کے تقاضے: لیکن میں نے اپنے علم اور بصیرت و ادراک کے مطابق گروہ اولیاء میں بھی بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ ہمتوں کی بلندی پر ہوں۔ اکثریت علم طریقت و معرفت سے بے گانہ اور بے خبر ہی ہیں۔ وہ کورے اور کچے ہیں۔ انہیں بلندیوں کا احساس و ادراک ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان میں سے بعض چند اس وضع میں بھی ہیں کہ انہیں تو اپنے نفس کی بھی خبر نہیں ہے، ایسے میں بھلا وہ کیسی بلندی، کسی رفعت اور عالی مرتبت کو کیا پہچان سکیں گے اور ان کے برعکس جو عالی ہمت رکھتے ہیں، ان میں کسی بلندی یا رفعت کو سمانے کا حوصلہ اور ظرف ہے وہ ان بلندیوں کے جلوؤں اور تقاضوں کو خوب پہچانتے ہیں۔

اللہ کی محبت اور قرب: جن لوگوں کو ان رفعتوں اور بلندیوں کا ادراک نہیں ہے وہ تو اللہ جل شانہٗ کی رحمت اور وسعتوں کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم اور کریم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسانات اور عنایات کی وسعت کس قدر زیادہ ہے اور اللہ اپنے بندوں سے کس قدر بے پناہ محبت کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے عالی ہمت لوگوں کو اپنے قرب و معرفت کے لئے منتخب فرما لیا اور اپنے خاص کرم سے ان پر رحمت و برکت کی فراوانی فرمائی۔ اور یہی نہیں بلکہ انہیں اپنے دوست بنا کر انہیں دنیا کے تمام خدشات اور ہر طرح کے خوف سے آزاد کر دیا۔

حبیب اکبر جل جلالہٗ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نوازشوں سے متصف ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ عظیم احسانات فرماتے ہیں۔ ان کے دل محبتوں اور بے نیازیوں سے معمور

ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت و شفقت انہیں مدام اپنے احاطہ میں رکھتی ہے۔ اور پھر ان محبانِ حق کے لئے خود خالقِ کائنات "حبیبِ اکبر" کا درجہ اختیار فرما لیتا ہے تاکہ اس کے بندوں کی حُبّ اور طلب بھی فراواں اور وافر رہے۔ اور چاہنے والوں میں دیدار و درس کی لگن برقرار اور بیدار رہے۔ لیکن بعض جو حبیب اکبر کو تلاش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے زعم کی دیمک سے کمزور ہو گئے اور ظلمات و گمرہی میں پھنس کر رہ گئے۔ ان پہ ان کی خواہشات نے غلبہ پا کر انہیں جکڑ لیا۔ وہ "اسیرِ کمندِ ہوا" ہو گئے۔ انہیں ان کے نفس نے رحمتِ خداوندی سے محروم کر دیا۔ لیکن اگر وہ اپنے خالقِ حقیقی کی جانب خلوصِ دل سے رجوع کرتے۔ خواہشات نفسانی اور نفس پروریوں سے اجتناب برتتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ایک خاص روحانی قوت عطا فرماتا ہے اور پھر اس قوت کے باعث اللہ کو پہچانتا ہے۔ اس میں ذاتِ حق کے بارے میں حرارتِ عشق زائل ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کا ہر جذبہ سرد پڑ جاتا ہے اس طرح وہ اللہ جل شانہ، کی جانب رُخ ہی نہیں کر سکتے ان میں رجوعِ حق کی تاب ہی نہیں ہوتی۔

لیکن اب یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے تو لوگوں کو دعوت دی جائے۔ حق کی جانب بلایا جائے اور جب وہ اس دعوتِ اور حق کو صدق دل سے تسلیم کر لیں تو پھر وہ بلندیوں کی جانب جانے کے لائق ہو سکیں گے لیکن صورت یہ نہیں رہی کیونکہ اکثریت نے اپنی قوتِ حق زائل کر رکھی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جب

مقصدِ کتابِ ہذا: مَیں نے عوام کی بے یقینیوں، ناتوانیوں اور ادراک کی پستیوں اور کم مائیگیوں کو محسوس کیا اور دیکھا تو ان کی اصلاح و تربیت کے لئے اور آگاہی کی خاطر یہ کتاب لکھی جائے۔ یہ ایسی کتاب ہو کہ یہ لوگوں کے لئے نافع ہو۔ رہنمائی کرنے والی کتاب ہو۔ اس کے مطالعے اور غور و فکر کے بعد مخفی روحانی ہمتوں کو

بلندی اور رفعت ملے۔ لوگوں میں حق کے بارے میں یقین پختہ ہو۔ حق زیادہ سے زیادہ اجاگر ہو۔ پڑھنے والوں کے یقین میں درجہ کمال پیدا ہو۔ وہ روحانی عشق کی چنگاریاں جو خوابیدہ ہیں۔ ان میں حدت اور تپش پیدا ہو اور وہ حق کی جانب بڑھنے میں تردد نہ کریں۔

میری یہ کوشش، یہ نوشت کم علم لوگوں، کج فہم اور جاہلوں کو ان کی جہالت کی حیرانیوں سے کھینچ کر باہر لانے والی ہے۔ یہ سونے والوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کرنے والی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میرا مقصد بیداری پیدا کرنا ہی ہے۔

دعوتِ غور و فکر: اس طرح کی کتاب کا لکھا جانا عین عنایت خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی کا کرشمہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس ضمن میں اپنے ایک بندے کو توفیق عطا فرمائی۔ اس کتاب میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانِ خاص سے اس کتاب میں علم و معرفت کو احاطۂ تحریر میں لانے کی توفیق بخشی ہے۔ اور اس کتاب کا ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ نو وارد اور مریدوں کو علم معرفت کی ابتدا سے متعارف کرایا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے والوں کو غور و فکر کا موقع ملے اور اللہ سے محبت کرنے والوں کو آدابِ محبت اور دربارِ الٰہی میں حاضری کے قرینے متعارف کرائے جائیں۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں اور غور و فکر کرنے والوں پر اپنی عنایات اور مہربانیاں نازل فرمائے۔ جو لوگ کتابوں کی عزت و حرمت کرتے ہیں وہ علم کی قدر و منزلت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں بیان کی ہوئی باتیں، امورِ معرفت اور دیگر مضامین، عارفوں کی ہمتیں بلند کرنے کا موجب ہو سکیں گے۔ اُن

کی استعداد و ادراک میں اضافہ ہو سکے گا۔ اور جو غافل اور فروگزاشتوں میں گھرا ہوا ہوگا۔ وہ بھی اپنی ہمت کی بلندی سے آگاہ ہو سکے گا۔

عارف اور معرفت: عارف وہ ہوتا ہے جو صاحبِ معرفت ہے اور معرفت اصل میں خالق باری کی ایک امانت ہے۔ اس لئے عارف پر لازم ہے کہ وہ اس شخص پر جو کورا، کچا، بے علم اور غافل ہے، اس سے اپنی واردات قلبی اور قلب و نظر کے سلسلوں کو آشکار نہ کرے۔ کیونکہ ایسا شخص ان حقیقتوں کو سننے یا سمجھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

قحط الرجال: اور یہ جان لو، کہ: کچھ جاننے والوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ بہت تھوڑے لوگ وارداتِ قلبی سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اس لئے راہِ حق میں معرفت پر گامزن لوگوں کا قحط ہے۔ یہی صوفیانہ قحط الرجال ہے۔ اس قلّت اور کمی کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ سعی کرنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، اس لئے زیادہ افراد اہلِ معرفت اور معرفت کی بلندیوں پر متمکن حضرات کے مراتب اور ان کی رفعتوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔

جو لوگ معرفت کی بلندیوں اور اہلِ معرفت سے ناواقف ہیں اور لامحالہ اللہ والوں کی عزت اور حرمت اور تکریم و تقدیس اور بارگاہِ ایزدی میں ایسے لوگوں کی رسائی اور شرفِ قبولیت سے بھی سراسر بیگانہ ہوتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ اہلِ ہمت اور مراتب اعلیٰ پر فائز لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے ارشادات اور علامات کو عوام الناس اور جاہل و غافل لوگوں سے پوشیدہ ہی رکھیں۔

توفیق ایزدی: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمتِ خاص سے اپنی جانب متوجہ ہونے کی توفیق خود عطا فرماتے ہیں۔ وہی بندے کے دل میں چاہت پیدا کرتے ہیں۔ مَیں بھی اللہ تعالیٰ ہی سے قوت و ہمت کا خواستگار

ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ اجو اعمالِ حسنہ چاہتے ہیں وہی کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمیں حق پہ کاربند و قائم رکھے۔ وہی اللہ ہر طرح کی قوت و احسان اور رفعت و معرفت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے، غالب ہے، غفار اور رحیم ہے۔

باب۔ ۱

عالی ہمّت۔ بلند ہمّتوں والے

ابو القاسم حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ " اے اللہ کی محبت دل میں رکھنے والو۔ اس حقیقت کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے لئے ہمت اور ہمت کے لئے پَر پیدا کئے ہیں۔ ان پَروں کی بدولت انسان پرواز کر سکتا ہے اور پرواز کر کے اپنی متعینہ منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ انسان اپنی ہمتوں کے مطابق اور استطاعت کے اندر اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ دل کی مثال اڑ کر اپنی متعینہ منزل تک پہنچ جانے والے پرندوں کی سی ہے۔

قوتِ پرواز اور منزلِ مقصود: ہر پرندے میں اپنے پروں کی بدولت قوت پرواز ہوتی ہے اور ہر پرندے نے اپنے تئیں اپنے سفر یا اڑان کی کوئی نہ کوئی منزل ضرور متعین کر رکھی ہوتی ہے۔ یہی منزل اس پرندے کا مقصود ہوتی ہے۔ لیکن ہر پرندہ اپنی ہمت اور قوتِ بازو کے بل بوتے پر اڑتا ہے۔ اس کے بازو اور پَر جس قدر مضبوط اور توانا ہوں گے اس کی پرواز اسی اعتبار سے راست اور یقینی ہو گی۔ اس قوتِ بازو اور پروں کی مضبوطی ہی کے باعث وہ اپنی منزل تک پہنچنے کا تصور کر سکے گا۔ اس

طرح اس کی منزلِ مقصود بھی یقینی ہو جائے گی۔

ارادۂ پرواز۔ قوت بازو اور پروں کی ہمت اسی وقت معتبر ہو گی۔ اگر پرندے کو اس کی منزل مل جائے گی۔ اسی لئے پرندے کو اسی وقت حقیقی خوشی میسر آتی ہے کہ جب وہ اپنی منزلِ مقصود پر بخیر و خوبی پہنچ جاتا ہے۔ پرندے کو جب اپنی متعینہ منزل مل جاتی ہے تو اس کی پرواز خود بخود موقوف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہوتا ہے۔ اس منزل سے آگے جانے سے کوئی سروکار اسے نہیں ہوتا۔ وہی مقام اس کا مدعا اور اس کی منزل بن جاتا ہے۔

عزمِ صمیم: پرندوں کی پرواز اور منزل کی طرف تمام انسانوں کی بھی پرواز۔ قوت بازو و پروں کی مضبوطی اور بالآخر منزلِ مقصود ہوتی ہے۔ انسان بھی پرندوں ہی کی طرح اپنی پوری قوت اور استطاعت اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے لگا دیتے ہیں۔ انسان بھی پرندوں کی مثال کی طرح پورے یقین اور قوت کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ ان کا عزمِ صمیم اور بے روک جرأت و حوصلہ انسانوں کو بلند پروازی سکھاتا ہے اور پھر انہیں ان کی متعینہ منزل تک بھی پہنچاتا ہے۔ جب ایسے باہمت لوگوں کو بقدرِ ہمت منزل مل جاتی ہے۔ تو انہیں بھی لازوال خوشی نصیب ہوتی ہے۔ پرندوں ہی کی طرح انسان بھی اپنی منزل متعینہ پا لینے کے لئے اور کہیں نہیں جاتے۔ وہ اسی پر قناعت کر کے اپنا سفر اور حرکت ترک کر دیتے ہیں۔

عمل اور ارادہ: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ" یعنی اے محمدؐ کہہ دیجئے کہ ہر ایک کا عمل اس کی استطاعت و استدعا کے مطابق متشکل ہوتا ہے۔" اپنے اعمال کو متشکل کرنے میں انسان کے ارادوں اور ہمتوں کو دخل ہے۔ اور یہ ہمتیں اپنی سعی کے مطابق ہیں۔ باطنی لگن ان اعمال کو مجسم بناتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے

کہ ہر شخص اپنا ہر عمل اپنی باطنی شکل و صورت کے مطابق ہی کرتا ہے اور یہ باطنی ارادے اور شکل و صورت اٹل ہوتی ہے۔ ہر انسان کی قدر و منزلت اس کے خالق کے نزدیک بھی اسی باطنی ہمت اور ارادے ہی کے حوالے سے متعین ہوتی ہے۔

یہ بھی امری حقیقت ہے کہ ہر انسان کے ارادے مختلف ہیں اور اسی طرح ہمتیں بھی مختلف ہیں۔ ان ہمتوں کی بلندیوں میں بھی واضح فرق ہوتا ہے۔

رُخ کا تعین: اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان کی ہمتوں اور ارادوں کا رُخ کس جانب ہے۔ اگر تو کسی شخص کی ہمتیں اور ارادے دنیادی اور مادی الائشوں سے بھرے ہوئے ہیں تو اللہ تعالےٰ کے قانون کے مطابق وہ شخص وہی کچھ حاصل کرے گا جس کا طالب ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا مانگنے والے کو دنیا دے دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے شخص کی ہمتیں لا حاصل اور بے وقعت ہی ہوتی ہیں۔ جو شخص طلب دنیا کو اپنا مطمح نظر بناتا ہے وہ آخرت میں اپنا حصّہ کھو دیتا ہے اور لامحالہ اس کی ساری ہمتیں اور پروازیں اور بلندیاں اکارت اور بے کار سمجھی جاتی ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص اپنی ہمتوں، بلند پروازیوں اور عالی ارادوں کو حصولِ آخرت کے لیے لگا دیتا ہے اللہ کا قانون اسے قبولیت سے نوازتا ہے۔ ایسا عامل اصل میں اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنا سفر اپنے خالق کی جانب ہی کرتا ہے ایسا عامل اپنی کوششوں اور ارادوں کی پختگی اور ہمتوں کی بلندی کی قدر و قیمت کو جانچ کر اس کی قیمت نہیں لگانا چاہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے عامل لوگوں کے لیے جنت مخصوص کر رکھی ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنی ہمتوں کی خود قیمت نہیں لگاتے اور انکساری میں وہ اپنی ہمتوں کو کسی طرح کی قیمت کے قابل ہی نہیں سمجھتے۔ لیکن ایسے بلند ہمت لوگوں کا معاملہ ان کے پروردگار کے نزدیک بڑا مقبول اور

احسن سمجھا جاتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ہی بے حساب جزا و ثمر بخشتے ہیں۔

انسانوں کی قسمیں: اپنی انفرادی ہمتوں اور ارادوں کے حوالے سے انسانوں کے تین بڑے بڑے اور معروف گروہ ہوتے ہیں یعنی طالبانِ دنیا، طالبانِ عقبیٰ اور پھر طالبانِ مولیٰ۔ ان تینوں گروہوں کے افراد و اشخاص کی اپنی لگن اور پیاس ہوتی ہے۔ ان تینوں طبقوں کے لوگ اپنے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور حصولِ مدعا کے لئے التجائیں کرتے ہیں۔ دنیا کے طالب دنیا ہی کو دولتِ کُل جان کر اس کی آرزو کرتے ہیں۔ عقبیٰ والے آخرت کی عبادت کی دعا مانگتے ہیں اور پھر مولیٰ کریم کی طلب رکھنے والے اپنی کو اور لگن میں اللہ ہی کو مانگتے ہیں۔ ہر طلب کرنے والا خدا سے اپنی طلب کے مطابق مانگتا ہے اور اپنی اپنی خواہش ہی کو اولیت دے کر اپنے مطلب کے لئے مانگتا ہے۔ صورت یہ ہے کہ جسے صرف دنیائے دُوں ہی پسند ہے اور جو اسی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ اسی کے لئے تڑپتا اور مضطرب رہتا ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں کہ اسے چاہنے والے اس کا منتظر ہے۔ دنیا والا اپنی دھن میں دنیا طلب کئے جاتا ہے۔

طالبِ دنیا: یہ دنیا مانگنے والے بھی اللہ ہی دنیا سے مانگتے ہیں۔ دنیا کی طلب کے بعد ایسے لوگ ضمناً یا محض عادتاً بعض دوسری حاجتیں بھی مانگتے ہیں۔ ایسے طلب گار اور دنیا پرست لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے علمِ کامل کے حوالے سے ان کی طلب کے مطابق اپنے قانون کے تحت جو پسند کرتا ہے عنایت فرما دیتا ہے۔ اس طرح جو شخص اپنے اللہ تعالیٰ طلبِ عقبیٰ کرتا ہے، جنت کا خواستگار ہوتا ہے۔ جنت کی بہاروں اور جنت میں موجود دیگر نعمتوں کا متمنی ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنے معبود کو اصل میں چھوڑ کر صرف عقبیٰ کی نعمتوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ پھر ان کے حصول کی خاطر وہ اللہ سے دُعائیں بھی کرتا ہے۔ ان

دعاؤں کے ساتھ ساتھ ضمناً اور عادتاً بعض دوسری دعائیں بھی شامل کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی اپنے علم کامل کے حوالے سے ان کی طلب کے مطابق اپنے قانون کے تحت جو اور جس قدر پسند فرماتا ہے انہیں دے دیتا ہے۔

اہلِ عشق: تیسرے اور پسندیدہ گروہ کے لوگ اہل عشق ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں محبت الٰہی اور جذبۂ دیدار موجزن ہوتا ہے۔ دنیا یا عقبیٰ کی کوئی نعمت ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ ان دونوں مقامات کہ جن میں اکثر ہجوم آبادی مبتلا ہوتی ہے اس سے بلند و بالا ہوتے ہیں۔ وہ دل میں کسی دوسرے کے لئے کسی بھی طرح کی کدورت یا کثافت نہیں رکھتے۔ انہیں ہمیشہ اپنے محبوب ہی کی لگن لگی رہتی ہے انہیں تو کسی بھی دوسری غرض و آرزو کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ ان کی دعائیں بھی اپنے محبوب کے حصول ہی کے لئے مخصوص اور مختص ہوتی ہیں۔ ان کی دعاؤں میں سراسر عاجزی، انکساری، آہ وزاری وارفتگی اور بے قراری ہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی دعاؤں کو دوسری آلائشوں سے پراگندہ نہیں ہونے دیتے۔ اور اس طرح اپنے اور اپنے خالق و مالک کے سوا دعا میں کسی کو واسطے کے طور پر بھی حائل نہیں ہونے دیتے۔ وہ صحیح معنوں میں دنیا کی احتیاجات سے بہت بلند ہو چکے ہوتے ہیں۔ دنیاوی احتیاجات ان کے راستے میں کسی بھی سطح پر رکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتیں۔ ان کی لگن سچی اور ہمت عالی ہوتی ہے، ان کا عزم و حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے۔

عنائیت بقدرِ ظرف: ایسے بلند ہمت لوگوں کی منزل مقصود تک پہنچنے کے سفر میں دنیاوی ہوس یا لگن کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ مصائب و آلام ان کے پائے ثبات میں ذرا برابر

بھی لغزش نہیں لا سکتے۔ ان کے عزم و حوصلہ اور بلند ہمتی کے سامنے مصائب کا تو کوئی وجود ہی نہیں بنتا۔ مصائب، مصائب نہیں رہتے بلکہ وہ مصائب ان کی لگن کو کئی چند کر دیتے ہیں۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے سفر کے تمام معاملات کو وہ عالی ہمت لوگ اپنے پروردگار پہ چھوڑ دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب کو بھی امرِ الٰہی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ مصائب کو مصائب نہیں سمجھتے۔ ایسے عالی ہمت لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے نظام اور قانون کے تحت ان کی استعداد کے مطابق اپنی بقا سے مشرف فرماتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان پُرعزم اور عالی ہمت لوگوں کی امیدوں کو ہمیشہ بر لاتا ہے۔ پھر وہ لوگ بقدر ظرف اللہ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

رزقِ مقسوم: دنیا میں ہر شخص اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق کسی ایک امر کو اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کس امر کو پسند کرتے ہیں۔ اگر آپ کو دنیا ہی پسند ہے اور یہی دنیاوی رغبت ہے تو اس ذیل میں یہ جان لیں کہ دنیا کو روزِ اوّل ہی سے مقسوم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح رزق اور روزی بھی تقسیم کر دی گئی ہے۔ اس تقسیم کے بعد ہمارا پالنہار اس کام سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس تقسیم میں جو راز اور حقیقت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو بھی اس کے مقدر اور مقسوم سے زیادہ رزق حاصل نہیں ہو سکتا۔ کسبِ رزق کی تمام کوششیں اور حیلے اس رزق کو بڑھا نہیں سکتے، اور یوں بھی یہ خاطر جمع رہے کہ زیادہ اور فراوانی کے لالچ اور حرص سے رزق میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے زہد، عبادت یا معرفت کی منزلیں طے کر لینے سے بھی رزقِ مقسوم میں کمی یا بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اپنے اعمال کی برتری کے باعث کوئی مقسوم سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس جہالت اور رذالت

کے گھرے درجے کسی کے رزق میں کمی کا باعث بھی نہیں بن سکتے۔ جو اور جس قدر رزق لکھا جا چکا ہے۔ وہ ہر ایک تک پہنچ کر رہتا ہے۔

عقبیٰ والے: اگر آپ نے عقبیٰ اور آخرت پسند کی ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا حصول اسی سطح پر ہوگا۔ جس سطح پر آپ کے اعمال ہیں اور نیک اعمال کے لئے بھی اللہ توفیق فرماتا ہے۔ ان نیک اعمال کے حوالے سے آخرت خود بخود ہی بہتر ہوتی جاتی ہے لیکن آخرت کے حصول کے لئے اعمال کی توفیق کے لئے دعاؤں میں جس قدر انکساری اور عاجزی ہوگی اسی قدر دعا مستجاب ہوگی۔ جوں جوں یہ دعائیں قبولیت کا شرف حاصل کرتی جاتی ہیں، اعمالِ خیر اور نیکی کی توفیق میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح آخرت اور عقبیٰ والوں کو آخرت میں کامیابی میسر ہوتی ہے۔ انہیں جنت ملتی ہے۔ جنت کی نعمتیں اور درجات اور مراتب حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ہر درجہ کی جنت کا حصول صرف اور صرف نیک اعمال اور نیکی کی فراوانی اور عبادت کی کثرت پر ہے۔ اس حوالے سے بندہ ثواب کی طلب و لگن میں نیک اعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے چونکہ یہ نیک اعمال خاص مقصد کے حصول کے لئے ہیں تو یہ مقصد بھی اللہ اور بندے کے درمیان ایک حجاب بن جاتا ہے۔

مقصد کا حجاب: بندے اور اللہ کے مابین جو مطلب اور مقصد کا حجاب ہوتا ہے وہ بندے کو اصل، مال، سے بہت دور رکھتا ہے۔ ایسا شخص معرفتوں کی بلند و بالا منزلوں سے محروم اور وصالِ الٰہی کی لذتوں سے مایوس ہی رہتا ہے۔ یہی حجاب بندے کو قربِ الٰہی سے بہت دور رکھتے ہیں۔ وہ بندہ عشق عظیم و کبیر سے محروم ہی رہ جاتا ہے۔

پس اگر آپ اللہ سے محبت رکھنے کے طالب ہیں۔ معرفتوں کی لذت سے روح کو مشرف و نہال کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے لازم ہے کہ اپنی نظر کو اللہ کے

سوا کسی بھی دوسری جانب بھٹکنے نہ دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ بندے کی نظر اس سے ہٹ کر کہیں اور نہ بھٹکے اور نہ اٹکے۔ اللہ کی محبت میں اسی سے وصل کی طلب کرنی چاہیئے، اسی کا قرب منشا ہو۔ اس حالت اور کیفیت میں اللہ کی جانب لگنے والی نظر بس کسی دوسری چیز کو دیکھ ہی نہ سکیں۔ انہیں کچھ اور دکھائی ہی نہ دے۔ ان ظاہری نگاہوں کے کُلی طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب لگنے سے دل کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ پھر اس طرح ظاہری آنکھیں ایسے نظاروں اور امور کو دیکھتی ہیں کہ جن سے دل کو خوشی ملتی ہے۔ دل شاد ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ کی جانب لو لگانے سے اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ معدوم ہو جاتا ہے غیر اللہ غائب ہو جاتا ہے۔

مرحلۂ عشق کے کرشمے

غیر اللہ کے غائب ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کا نظارہ ہوتا ہے اور اللہ اپنے نظارے کے لئے اپنے بندے کے دل کو وسعت و گہرائی بخشتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ تجلیات اس کے دل کی وسعتوں اور پہنائیوں میں سما سکیں، اور اس طرح پوری کائنات پر بھی واضح ہو جائے کہ بندے نے غیر اللہ کو چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ ہی کو اپنا لیا ہے۔ اس صورت میں کائنات گواہی دیتی ہوئی خوشی محسوس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس سطح اور درجہ پر شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے بندے کو ولایت کے منصب سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اس طرح بندہ دنیا کے تمام جاری و ساری نظام سے علیحدہ ہو کر عنایتِ خاص کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بندے کی زبان اور انداز اہلِ عشق کے سے ہو جاتے ہیں وہ محبت کا مدعی ہو جاتا ہے۔ اس کے اعمال میں بھی محبت در آتی ہے۔ پھر وہ محبت کا جواب بھی محبت ہی سے دینے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ محبت کے جذبہ اور جوش کی یہ کیفیت بندے کے اندر خود کئی اہم تبدیلیاں پیدا کرتی ہے۔ یہ تبدیلیاں خوش

آہستہ اور خوشگوار ہوتی ہیں اور کیونکہ اس مرحلہ عشق پہ مصائب اور دشواریاں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ مقام و مرتبہ ہوتا ہے کہ سالک اس واردات کو بیان کرنے سے عاری ہو جاتا ہے وہ اپنے مقامات کا ذکر ارادہ بیان کرنے سے محو نہیں ہونا چاہتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ان مقامات کا شکر ادا کرنے کی خاطر اپنے آپ سے تو ان کا بیان ضرور کرتا رہتا ہے اس تکرار سے اس میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور حاصل کردہ مقامات کو دوام ملتا ہے۔

انسانی پرواز کے ان تین درجوں اور گروہوں کا قرآن حکیم میں بھی واضح ذکر ملتا ہے،

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ج وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ؕ

(سورۃ

قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر یوں ہے کہ بنی آدم میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب صرف طلب دنیا کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ سے دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے پروردگار کی جانب دونوں جہانوں کی طلب لے کر بڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کی طلب بھی ایک متعینہ مقصد کی خاطر ہے۔ لیکن ایک تیسرا گروہ بھی ہے۔ وہ نہ دنیا طلب کرتا ہے نہ آخرت اور عاقبت کے خطرے سے عقبیٰ مانگتا ہے۔ وہ دین بھی نہیں مانگتا۔ جنت کی بھی وہ طلب و آرزو نہیں کرتا۔ وہ طبقہ صرف اور صرف بھلائی مانگتا ہے۔

اس مد میں یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ اپنے اللہ کو صرف دنیا ہی کے طلب کرتا رہتا ہے۔ اس گروہ کی تمام تر مساعی حصول دنیا ہی کے لئے

رہتی ہے۔ دوسرا گروہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے آخرت کی نعمتیں اور بخشش طلب کرتا ہے۔ آخرت کے ثمرات و درجات کے لیئے وہ عبادات کرتا۔ پھر ایک گروہ صرف دنیا نہیں اس کے ساتھ آخرت اور عقبیٰ کا بھی طالب ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک جداگانہ اور ممتاز گروہ وہ ہے جو اپنے پروردگار اور خالق سے نہ دنیا مانگتا ہے اور نہ عقبیٰ اور آخرت کے لیئے تڑپتا ہے۔ وہ اپنی طلب اور آرزو میں سے دنیا کو بھی خارج کر دیتا ہے اور آخرت کو بھی۔ وہ ان سے ماورائی اپنے اللہ سے قرب کا متمنی ہو جاتا ہے کیونکہ حصولِ قربِ الٰہی کی ہر آرزو کسی مقصدی الائش یا لالچ سے مبرّا ہوتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا اور عقبیٰ کو اصل میں تو طلاق دے دیتا ہے لیکن درحقیقت دنیا اور عقبیٰ اس کی اپنی غلامی اور دسترس میں آجاتے ہیں۔ اسے دونوں جہان کی کوئی طلب اور پرواہ نہیں رہتی۔ اس کے لیئے اللہ ہی سب کچھ اور کافی ہو جاتا ہے۔ اور یہ دنیا اور آخرت بھی تو اللہ ہی کے ہیں۔

حدیثِ نبویؐ: اسی حوالے سے حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں بیان ملتا ہے کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ۔ اے داؤدؑ! یہ ایک حقیقت اور سچ ہے کہ جو شخص ہم (اللہ) کو اپنے لیئے سب کچھ اور کافی جانتا ہے تو ہم اسے اپنا بنا کر اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں۔ پھر ہمیں اس کے لیئے کافی ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری جانب جو شخص یہ جانتا ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی اس پر قادر ہے۔ اللہ ہی کائنات کا مالک و خالق ہے اور پھر ہم (اللہ) پہ یقین اور بھروسہ نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کے ہم ہو نہیں سکتے۔ اسے اپنانے کی کبھی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

اسی ذیل میں نبی اکرم حضور پُر نور کے لیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

(اے محمدؐ! کیا تمہارا پروردگار تمہارے لیئے کافی نہیں ہے" اور بے شک وہی ہر شئے اور امر

پر قادر اور خود ہی شاہد اور گواہ ہے)۔

اس نہایت فصیح و بلیغ بیان تذکرے کے بعد حضرت جنید بغدادی کے چند ایک اشعار بھی اسی زمرے میں اپنے اندر دریائے معنی لئے ہوئے ہیں۔

اشعار:

عربی زبان کے چند خوبصورت
اشعار کا سلیس نثری ترجمہ
کچھ اس طرح سے ہے کہ:۔

میرے لئے میری ذات کا ناتواں اور ضعیف ہونا ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ جل شانہ، جو گناہوں کو بخشنے والے اور درگزر فرمانے والے اور عیبوں اور برائیوں کو چھپانے والے ہیں، وہی میرے لئے کافی ہیں۔ میں کس بھرتے پر تفاخر کروں۔ میرے پاس ہے ہی کیا؟ میرے اندر بھی کچھ نہیں ہے۔ میں تو اپنی نادانیوں اور کم عقلیوں پر نادم و شرمندہ ہوں۔ مجھے اگر کوئی فخر ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ میں اللہ کا ہو جاؤں۔ اسی آس امید پر مجھے فخر ہے اور ایسی زمین یا ایسی جگہ کہ جس پر محبوب نہ ملے، جس زمین پر محبوب دُور رہے۔ ایسی زمین کو اچھا نہیں کہا جا سکتا وہ زمین ارذل اور گھٹیا ہے کہ اس کے لئے محبوب نہیں ہے۔ اصل میں تو اس کائنات میں اس کے روئے زیبا کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ مجھے اس چہرہ محبوب کے سوا اس کائنات میں کچھ اور پسند نہیں ہے۔ اور پھر اس حسین و جمیل کائنات میں جو کچھ

بھی اور حسن اور رعنائی ہے، حسین چیزیں ہیں، ان میں محبت ہی توکار فرما ہے اور بلاشبہ اس محبت سے بڑھ کر دنیا اور کائنات میں کوئی چیز زیادہ حسین اور زیادہ پاکیزہ نہیں ہے۔

اے اہل ایمان ! اور باتوں پر یقین اور توجہ کرنے والو ! مَیں نے جو کچھ قدرے کھول کر بیان کیا ہے، اس میں عالی ہمتوں کا ذکر ہے۔ توجہ طلب یہ امر ہے کہ کوئی چیز بذات خود کچھ نہیں ہے۔ اس کی طلب اور چاہت ہی اس کا مقام متعین کرتی ہے۔ چیز کی قدر و قیمت اس کے مرتبے اور بلندی کے حوالے سے متعین ہوتی ہے اور بلندی اور مرتبہ اسے انسانی طلب اور آرزو ہی بخشتے ہیں۔

یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

محبت کا بدلہ محبت ؛ ہر چیز کا کچھ عوض مقرر کر رکھا ہے۔ اس عوض کے بدلے میں وہ شئے حاصل ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کا کوئی عوض نہیں رکھا ہے تاکہ وہ قیمت بن سکے اور عوض ہو سکے، اور محبت کا عوض محبت سے ہی ادا کیا جاسکے۔ محبت کا بدلہ محبت ہے۔ یہی اس پوری کائنات کا منشا اور مقصود ہے۔ لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا لیا ہے تو پھر ہر طرح کے غیر اللہ سے کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔

مَیں نے حتی الامکان صراحت اور وضاحت کی کوشش کی ہے، لیکن پھر بھی مزید وضاحت اور تفصیل اور معرفت کے حقائق کی شرح و تفسیر کی خاطر آپ کے غور و فکر کے لئے اور عبارت بھی دی جاتی ہے۔

باب ۔ ۲

اللہ کو کافی سمجھنے والے

حضرت ابوالقاسم عارف نے فرمایا کہ:

اے اللہ والو! یہ برحق جان لو کہ اس دنیا میں اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جو اپنی تمام تر دنیوی خواہشات اور آرزوؤں کو ختم کر دیتے ہیں اور ہر طرح کی نفسانی اور روحانی تمناؤں سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آخرت کی طلب و خواہش سے یکسر دست کش ہو جاتے ہیں۔ اور ان سب کے بجائے وہ صرف اور صرف اپنے مولیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں ان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انہیں اس امر کی کوئی خبر ہی نہیں رہتی کہ وہ راہِ حق میں کیا کچھ ترک کر چکے ہیں۔ وہ دونوں جہانوں سے بے خبر اپنے خالق و مالک کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں ایسی وابستگی ہی میں سکونِ قلب اور تسکین بھی نصیب ہوتی ہے۔ ان کا جسم و جاں اور بدن بھی ایک خاص انبساط محسوس کرتا ہے۔ وہ اس سطح اور بلندی پر کسی اور کو دیکھتے ہی نہیں ان کا واسطہ اور رابطہ اپنے خالق کے ساتھ مستقل اور دائمی ہو جاتا ہے۔

دنیاوی فراغت کے قرینے

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا باقی سا تھی کا

دنیا اور ساری کائنات کو دل سے نکال دینے کا ایک قرینہ اور سلیقہ ہے۔ وہ سلیقہ اور قرینہ یہ ہے کہ دنیا جہان کے ارادوں کو دل سے نکال دیا جائے۔ جو بھی ارادہ اور آرزو ہو اسے دنیا یا دنیا والوں سے وابستہ کرنے کے بجائے اس دنیا بنانے والے سے وابستہ کر لیا جائے۔ دنیاوی لذتوں بھرے امور سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ ان لذتوں کی ہوس و حرص سے منہ موڑ لیا جائے۔ اور بجائے اس کے اپنے ارادوں کا منشا اپنے پروردگار کو بنا لیا جائے اللہ تعالیٰ ہی کو کافی اور محیط سمجھا اور مانا جائے۔

جس طرح دنیاوی امور اور لذائذ میں بڑی نفسانی کشش ہوتی ہے اسی طرح آخرت اور عقبیٰ کے ثمرات اور درجات کی بھی خاصی چاہت ہوتی ہے لیکن اللہ کی جانب مائل ہونے کے لئے آخرت اور عقبیٰ کی آرزو بھی چھوڑ دینی چاہیئے کیونکہ جو شخص دنیا ہی میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ایسے شخص کو دنیا ہی کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح آخرت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اور پھر دوسرے درجے پر جو دنیا چھوڑ کر آخرت اور عقبیٰ پر نظر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ عقبیٰ چاہنے والے بھی اللہ سے دُور ہو جاتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جس کو اللہ تعالیٰ سے وابستگی کے بعد حق مل جاتا ہے۔ یہ دونوں جہاں اسی کے تابع اور ملکیت میں ہو جاتے ہیں۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۝ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ ۝

ترجمہ: "جو شخص آخرت کی کھیتی بنانے کا طالب ہے اللہ اس کے لئے اس کی اسی آرزو میں زیادتی فرماتا ہے۔ اور جو شخص دنیا دی حصول و منفعت چاہتا ہے۔ اللہ اس کو دنیا دے دیتا ہے۔ اور جو دنیا کے چاہنے والے ہیں ان کے لئے آخرت میں کچھ نہیں ہے۔"

آزمائش ہے اللہ والوں کے لئے:

حدیث نبویؐ میں بھی ارشاد ہے کہ:

"اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کر لیا تو پھر اس مخلوق کے سامنے اس دنیا کو اس کی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ پیش کیا۔ اس پر اس دلفریب اور دلکش دنیا کو ہر ایک ہزار انسانوں میں سے صرف ایک انسان نے دنیا کو پسند نہ کیا۔ لیکن نو سو ننانوے انسانوں نے دنیا ہی پسند کی۔ پھر جب ان ایک فی ہزار دنیا نہ چاہنے والوں کے سامنے اللہ تعالیٰ جنت اور جنت کی نعمتیں اور فیاضیاں رکھ دیں تو ان چنیدہ فی ہزار انسانوں میں صرف ایک انسان نے اس جنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ اس مقام و موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اے میرے بندوں کی جماعت تو نے دنیا اور جنت دونوں کی پرواہ نہیں کی۔ انہیں بھی ٹھکرا دیا ہے۔ آخر تم کیا چاہتے ہو! ۔ اس جماعت کے انسانوں نے عرض کی کہ اے ہمارے مالک و مولیٰ تو ہمارے حال اور طلب سے خوب واقف ہے اور یہ بھی آپ پر آشکارہ ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ اس مقام و منصب پر اللہ جل شانہ، کا ارشاد ہوا کہ مجھے خبر ہے کہ تم صرف اور صرف مجھے چاہتے ہو۔ لیکن تمہاری اس چاہت کا بھی ہمارے یہاں امتحان لیا جائے گا کہ تم اپنی اس طلب و آرزو میں کس قدر صادق اور ثابت قدم ہو۔ تمہیں مصائب اور مشکلات کی کٹھن گھاٹیوں پر سے گزرنا ہوگا۔ سماوی بلائیں بھی تمہیں تمہاری استطاعت کے مطابق

آن گھیریں گی۔ یہ بلائیں اس قدر بڑی اور بوجھل ہوں گی کہ ان کا بوجھ زمین اور آسمان بھی اٹھانے سے عاری ہوں گے۔ لیکن اگر تم اے میرے بندو! ان مصائب و آلام اور بلیّات کے اژدہام میں بھی ثابت قدم رہو گے اور صبر سے کام لو گے تو پھر مَیں (اللہ تبارک و تعالیٰ) تمہیں اپنے قرب سے نوازوں گا۔ وہ تمہارے لئے کافی ہو جائے گا۔ تم پر اپنی تجلّیات کی فراوانی فرما دے گا۔ تمہیں تمہارے صبر اور ثابت قدمی کے باعث روحانی لذتوں سے متصف کر دے گا۔ تمہارے حجابات بھی دور فرما دیگا۔ پھر ایسی صورت میں تمہاری نگاہیں ایک خاص قسم کی بصیرت سے فیض یاب ہوں گی۔ اس بصیرت سے تم اپنے خدا کی بڑائی اور عظمت اور جاہ و جلال کو مکمل طور پر دیکھنے کے لائق رہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن کر ایسے چنیدہ عارفوں کی جماعت نے کہا کہ اے ہمارے عالی اور مالک و خالق پروردگار تو جس طرح اور جو چاہتا ہے وہی ہمارے لئے کر دے۔ ہمیں جس بھی طرح چاہے آزمائے کیونکہ تو ہم پر ہر طرح سے فائق اور غالب ہے۔"

معیارِ فضیلت: ایک روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز خلیفۂ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آپ کس حوالے سے ہم سب سے زیادہ آگے ہیں اور حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہُوا ہے۔ اس سوال کے جواب میں حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برملا فرمایا کہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جنہوں نے مجھے فضیلت اور فوقیت بخشی ہے۔

اوّل یہ کہ جب ہم مشرف بہ اسلام ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ متعدد لوگ دنیا کے طلبگار ہیں۔ اِسی طرح بے شمار لوگ آخرت چاہنے والے ہیں۔ اس صورت میں مَیں نے اپنے اللہ کی خواہش و طلب کی۔

دوم یہ کہ جب ہم مشرف بہ اسلام ہوئے تو ہم نے دنیا کی کسی لذت کو نہ چکھا اور نہ اسے حاصل کرنے کی پرواہ کی، لہٰذا ہمیں جو بھی انبساط اور لذت حاصل ہوئی۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے اس کے ذکرِ خیر سے حاصل ہوئی۔ اللہ کے دین کے لئے سعی و عمل ہی سے ہمیں رفعت، معرفت اور مسرت نصیب ہوئی۔ میں نے نہ تو دنیا کو کوئی اہمیت دی اور نہ دنیا کی کسی لذت کا تعاقب کیا۔ مجھے اس کی طلب کی آرزو بھی نہیں تھی۔

سوم یہ کہ جب سے میں مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔ میں نے کبھی سیر ہو کر اور پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ پینے کے معاملے میں بھی میں نے کبھی سیرابی حاصل نہیں کی۔ کیونکہ بھرا ہوا پیٹ بہرصورت معرفت کو ضائع کر دیتا ہے۔ میں نے بفضل تعالیٰ اپنی اس قناعت کی خو کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

چہارم یہ کہ زندگی میں جب دو باتیں یعنی میرا ذاتی فائدہ اور منفعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا میرے سامنے ہوتی تو میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور اللہ تعالیٰ ہی کی بات کو اختیار اور قبول کیا۔

پنجم یہ کہ الحمدللہ میں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی محبت اور ساتھ کو بفضل تعالیٰ عمدگی سے نبھانے کی ہمیشہ کوشش کی۔ حضور پُرنور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت، منصب نبوت، آپ کی عزت و حرمت اور قدر و منزلت کو برقرار رکھنے کی ہمیشہ مساعی کی۔

یہ وضاحت اور تفصیلی جواب سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پر عجیب کیفیت وارد ہوئی اور آپ رونے لگے اور پھر فرطِ جذبات سے فرمایا کہ اے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کو یہ منصب و مرتبہ اور مقام مبارک ہو۔ مکرّر مبارک ہو۔

ایک حدیث:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے

تو دیکھا کہ سجدے میں پڑا ہوا ایک بدو نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ رو رو کر اپنے اللہ سے یہ دعا مانگ رہا تھا کہ "اے میرے مولا! مَیں تجھی کو حاصل کرنے کا متمنی ہوں۔ اے اللہ تو مجھے اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھا دے۔ مَیں دونوں جہانوں کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف تیری ہی طرف آتا ہوں۔ اے مولیٰ تو مجھے اپنی راہ میں قبول فرمالے۔ مجھے اپنی راہ میں کامیابی سے ہمکنار فرما۔ میری امیدوں کو بَر لا۔ میری امیدیں بھی تجھ سے ہیں"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بدو کی یہ التجا اور دعا سُن کر زار و زار رونے لگے۔ اور بے تحاشا روتے رہے۔ اور فرمانے لگے کہ واقعی لوگوں کی ہمتیں بہت عالی اور بلند ہوتی ہیں۔ بعض لوگ صرف نفس پرست ہو کر نفس ہی کے لئے طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف اور صرف اللہ کی طلب میں ہوتے ہیں اور وہ اپنے اللہ کو پا لیتے ہیں۔

ایک حکایت ایک نظریہ:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک حکایت منسوب ہے کہ انہوں نے ایک بار کسی سے یہ آیت قرآنی سنی کی "کہ تمہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں کہ صرف اپنے ارادوں میں فقط دنیا ہی کو رکھتے ہیں۔ اور پھر اس طرح کے لوگ بھی ہیں کہ جو فقط آخرت اور عقبیٰ کا ارادہ رکھتے ہیں"

اس آیت مبارکہ کو سن کر حضرت بایزید بسطامی رونے لگے اور پھر فرمایا کہ" اللہ پروردگار کی جانب سے اپنے بندوں کے لئے یہ ایک گلہ ہے۔ ایک شکوہ اور شکایت ہے کہ اے لوگو تم نے صرف دُنیا اور عقبیٰ ہی کو طلب کر کے قناعت کر لی۔ اگر تم اپنے آپ کو اللہ سے وابستہ کر کے اللہ ہی کے سپرد کر دیتے تو اللہ تمہیں بے حساب عطا فرماتا۔ اللہ بندے کے قریب تر ہو جاتا

اللہ تمہاری بصارت، تمہاری سماعت اور تمہارے اعمال و افعال کی حرکات و سکنات بن جاتا۔ تمہارے لیئے اللہ سب کچھ ہو کر کافی ہو جاتا۔"

ایک نصیحت: حضرت ابو عبداللہ اپنے ایک وعظ میں اپنے بیٹے کے لیئے یوں نصیحت فرماتے ہیں کہ، "اے میرے پدرِ عزیز! اگر تم اللہ کی بارگاہ میں موجود ہو تو پھر تم پہ لازم ہے کہ تم اپنے اللہ ہی سے محبت کرو۔ اسی کو یاد کرو۔ اسی کی خدمت کا حق بجا لاؤ۔ اس کے لیئے دنیا کی ہر شئے کو مکمل طور پر ترک کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں طلب دنیا سراسر ایک ندامت ہے اِس طلب میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ سے لو لگانے سے آخرت خود بخود تمہارے تابع ہو جاتی ہے۔ تو اے میرے پیارے لختِ جگر! جو اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اللہ اسے ہر طرح سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اللہ ہی اس کے لیئے کافی ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی دوسرے کا محتاج ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس لیئے اے پدرِ عزیز! اللہ کا ہو کر کسی دوسرے یا دوسری چیز میں مشغول ہو جانا ایک ظلم ہے جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ اس ظلم سے بھی بچتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عارف دنیا و آخرت کے کسی شغل میں الجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ دنیا اور وہ آخرت آخر تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اللہ ان پہ قادر و غالب ہے۔ جب انسان اللہ کا ہو جاتا ہے تو معرفت کے حوالے سے بڑی بلندی پہ ہوتا ہے۔ اس کی رفعت کامل ہوتی ہے وہ انسانِ کامل بن جاتا ہے اور معرفت اور رفعت سے عارف ہو جاتا ہے۔ اور ایسا عارفِ کامل غیر اللہ کے ترک کے حوالے سے دونوں جہانوں سے نابینا اور نابلد ہو جاتا ہے۔"

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے پہ بذریعہ القا واضح فرمایا کہ:

"اے میرے بندے میں ہی نے تجھے یہ ساری رفعتیں اور فضیلتیں بخشی ہیں۔ اور پھر میں نے ہی تجھے اپنی عبادت کرنے کی توفیق دی ہے۔ اور یہ بھی کہ میں نے تمہارے معاملے میں

کسی کی سفارش یا طرف داری کے بغیر اپنی رحمتوں سے نمایاں کیا ہے۔ ان نعمتوں اور فضیلتوں کے بعد میں نے یہ تقاضا کیا کہ تو صرف میرے ہی ذکر میں محو اور مشغول ہو جا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ تجھ سے یہ بھی توقع رکھی کہ تو اپنے اس عمل میں کسی بھی طرح کے بدلے یا جزا اور معاوضے کی ترازو میں اسے نہ تولے۔"

عارف کا ادنیٰ درجہ: اسی روایت ہی کے حوالے سے حضرت ابو عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضاحتی انداز و اسلوب میں فرمایا کہ " اگر کوئی عارف ہو اور وہ پانی پر بھی خشکی ہی کی مانند چل لیتا ہے تو یہ عمل اس عارف کا ایک کمترین درجہ اور مرتبہ ہے۔ لیکن اصل میں اہم اور بلند درجہ یہ ہے کہ عارف دونوں جہانوں سے ماورا ہو جائے۔ یہاں پر اسے اس کا پروردگار اور خالق و مالک جہاں اور جس حال میں رکھے وہ اس پر صبر کرتا ہوا حق کے ساتھ وابستہ رہے۔ اس عارف کی مثال ایسی ہو جائے کہ ایسا ہو جائے جیسا وہ اس عالم رنگ و بو میں آنے سے پہلے تھا یا وہ جس طرح ازل سے تھا۔

اس زمرے میں حضرت ابن ابی سلمہ نے فرمایا تھا کہ وہ جو لوگ دنیا ہی کو اور اس کے محاصل کو سوہانِ روح بنا لیتے ہیں۔ وہ اسی دنیا کے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو اس کا بھی یارا نہیں کہ ہم عقبیٰ اور آخرت کی خاطر بھی گریہ زاری کریں۔ ہمیں تو یہ زیب ہی نہیں دیتا۔"

ابو سلیمان درّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حوالے سے فرماتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دنیا کو پسند کرنا مناسب ہی نہیں سمجھتا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں سے دور اور محروم رکھا۔ ہمارا دامن ان سے پاک و مبرّا رکھا۔ کیونکہ ان نعمتوں کی فراوانی سے عذاب اور مصائب در آتے ہیں۔ لیکن اس کے بجائے دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ فرصت ہی نہ دی کہ ہم اپنی نظریں اور توجہ اپنے پروردگار سے ہٹا کر

معرفت کی بلندی سے پستی کی جانب چلے جائیں۔"

جنت کی حقیقت: حضرت رابعہ بصری عارفہ رضی اللہ عنہا نے اس ارشاد پر بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا کہ۔

"اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عارفوں کے لئے اپنے محبوب سے ایک لمحہ بلکہ ایک دقیقہ بھی غافل رہنا اور آخرت کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھنا بے ادبی اور اللہ کی حکم عدولی ہے۔ ویسے بھی جنت میں ہے ہی کیا کہ جس کی ہم چاہ کریں اس غفلت میں سراسر زیاں ہے اور بھاری خسارہ ہے۔ عارفوں کے لئے۔ بلکہ وہ تو عارف ہو ہی نہیں سکتا جو جنت اور اس کے اندر موجود نعمتوں اور عظمتوں میں کھو جانے کی طلب رکھتا ہو۔ اور ان کے حصول کی خاطر اپنے پروردگار سے دور اور غافل ہو جائے"۔

بامِ عروج وعظمت: شیخ المشائخ کا ارشاد ہے کہ "ہم مسجدِ حرام میں بیٹھے تھے کہ ایک پژمردہ اور پھٹے ہوئے لباس والا نوجوان وہاں آیا۔ بھوک اور فلاکت کے باوجود اس کے چہرے سے صبر نمودار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی پتلی حالت کو دیکھ کر ایک سو دینار کی ایک تھیلی اس نوجوان کو پیش کی اور کہا" اے نوجوان یہ رقم شاید تمہاری فلاکت اور پریشانی کو دور کر سکے"۔ لیکن اس نوجوان نے میری اس پیش کش پہ پرکاہ جتنی بھی توجہ نہ دی۔ لیکن میں نے اس کی منت کی کہ وہ اسے اپنی ضرورت کے لئے لے لے۔ اس بار اس نوجوان نے میری جانب متوجہ ہو کر کہا کہ اے پیرِ طریقت! یہ وہ حالات اور واردات ہے جو عارف پہ وارد ہوتی ہے۔ میں جنت کا نہ خریدار ہوں اور نہ مجھے جنت سے کوئی سروکار ہے۔ اور یہ مقام تو استقلال کا مقام ہے۔ اس مقام پہ سب کچھ موجود ہے یہی مقام تو عروج وعظمت اور عالی ہمت کا ہے۔ ہم کسی ادنیٰ، گھٹیا اور حقیر چیز کے لئے اپنے مقام ومرتبہ اور کیفیت کو کیوں چھوڑ دیں؟

دارین سے چھٹکارا: اسی طرح ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا یا جنت کا طلبگار رہتا ہے وہ معرفت سے دور ہو جاتا ہے۔ معرفت حصولِ دارین یا دونوں جہانوں کا پا لینا نہیں بلکہ معرفت تو اللہ تعالیٰ سے دوستی کا نام ہے اور یہ دوستی دارین سے گزر جانے کے بعد کا مقام ہے

حکایت ہے کہ کسی عارف نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھی تو اس عارف نے جنازے کی معمول کی مقررہ چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں پڑھیں۔ اس کے استفسار کے جواب میں اس عارف نے فرمایا کہ "میں نے چار مقررہ تکبیریں تو واقعی اس حاضر میت کے لئے پڑھی ہیں اور پانچویں تکبیر "دارین" سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی خاطر پڑھی ہے۔"

ابو سلیمان درّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی فرماتے ہیں کہ "بندے کی عظمت، برتری اور انسانی فضیلت یہی ہے کہ وہ دونوں جہانوں سے گزر جائے اور اللہ کا برگزیدہ بن جائے لیکن چھوٹے ظرف والے انسان دارین میں اپنے حصّے کی طلب و حصول میں غلطاں ہو کر اپنے خالقِ حقیقی کے درمیان حجاب پیدا کر کے حق تعالیٰ سے دور ہو جاتے ہیں۔"

متعدد اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ "دنیا کے طالبو، اس دنیا سے گزر جاؤ۔ اگر تم دنیا چھوڑ دو گے تو یہ خود تمہیں طلب کرے گی۔ اسی طرح عقبیٰ طلب کرنے والو، اس آخرت اور عقبیٰ کی طرف ترک کر دو۔ اس طرح عقبیٰ تمہیں خود طلب کرنے لگے گی اس حالت میں تمہارے لئے تمہارا پروردگار ہی کافی ہے اور وہی ہر چیز پر قادر و شاہد ہے۔"

اشعار: آخر میں حقیقت پردرش اور وضاحت کا باعث بننے والے چند اشعار کا ترجمہ پیش ہے:

اے میرے مولیٰ و مالک : مَیں معرضِ آزمائش میں ہوں. مصیبت میں ہوں لیکن اس آزمائش اور مصیبت میں بھی مَیں شکایت کا مرتکب نہیں ہوں۔ میرا مدعا اور ملتجا آپ پر واضح ہے، تُو ہی تو میری منزل اور مراد ہے۔ من وسلویٰ میری مراد نہیں ہیں۔ اے اللہ اگر تو مجھے دنیا اور عقبیٰ دونوں بھی دے دے تو مَیں ان کا طلبگار نہیں ہوں۔ مَیں ان دونوں جہانوں کے بجائے اپنے مولیٰ پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں وہی میری منزل اور مراد ہے۔"

ایک اور شعر کا ترجمہ یوں ہے: "مَیں نے دنیا کی رنگینیوں اور طلبوں اور دین کو بھی خیرباد کہہ دیا ہے (کیونکہ یہ دین حصولِ عقبیٰ و آخرت کا ذریعہ ہے) اب اے میرے خدا! تو ہی میرا دین ہے اور تو ہی میری دنیا ہے۔ اب دین و دنیا اور اس کے ماحصل جو بھی ہیں وہ میرے لیئے تجھ ہی سے ہیں۔"

باب - ۳

اللہ کے دوست اور غیرتِ الٰہی

ابوالقاسم حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ:

اے اللہ تعالیٰ کو دوست اور عزیز رکھنے والو! یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے اسرار اور مختلف استعدادوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ لوگوں کا باطن بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے روشن اور عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ علم آپ لوگوں پر اللہ کی رحمت و برکت اور عنایت ہے۔

اللہ کی غیرت: اللہ تبارک و تعالیٰ جب بندوں میں سے کسی کو اپنے لئے پسند کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ و مقام کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حسبِ حال ان کی غیرت محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی غیرت کو اپنے بلند و بالا مقام پر اہم بنا دیتے ہیں۔ بندہ کو اپنے اللہ کی غیرت کے حوالے سے یہ مقام و مرتبہ اللہ ہی کو جانب سے ملتا ہے اور اللہ تو بہر صورت اس مقام غیرت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

طالب و مطلوب: جو شخص جس کا ساتھی اور دوست ہوتا ہے اسی حوالے سے پہچانا اور جانا جاتا ہے۔ شیطان کا ساتھی کمتر، حقیر اور رذیل ہوتا ہے لیکن جو اللہ کا ساتھی دوست بن جاتا ہے۔ اللہ اسے عزیز رکھتے ہیں۔ اسے عزت بخشتے ہیں۔ اس کا مقام و مرتبہ

بلند فرماتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر طالب کبھی مطلوب سے ایک لمحہ کے لئے بھی برگشتہ اور بے پرواہ ہو جائے اور یہ کیفیت مطلوب پر بھی ظاہر ہو جائے تو پھر اس مقام پر طالب کے لئے مصائب اور ابتلا کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خالق حقیقی کی جانب پیش رفت کرنے کے بعد کسی دوسرے کی جانب متوجہ ہونا ایک گمرہی ہے۔ ایک کیفیت ادبار و آلام ہے اس لئے لازم ہے کہ اپنے عمل سے غیرت الٰہی کو ملحوظ رکھا جائے۔ اپنے پروردگار اور خالق و مالک کی جانب شروع کئے ہوئے سفر کو ترک نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس سبیل اللہ سے بھٹکنے والے کے لئے خرابی لبیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ تو جاہ و حشم اور عظمت اعلیٰ پر قائم اور دائم ہیں۔

حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۝

(اے نبی! جن لوگوں کو ہم نے مال و متاع، دنیاوی آسودگیاں اور دیگر آسائشیں دے رکھی ہیں، آپ تو ان کی جانب دیکھتے بھی نہیں ہیں۔)

اسی طرح دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝

(اے نبی! اگر ہم آپ کو آپ کے ارادوں میں ثبات بخش کر ثابت قدم نہ رکھتے تو یہ امکان تھا کہ آپ کسی درجہ، یا تھوڑے ہی ان کی جانب متوجہ ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ ہونے دیا)۔

شانِ استقامت اور دیدارِ الٰہی: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک نے اپنے ارادوں اور اللہ کی راہ میں جو ثبات اور استقامت بخشی۔ اس سے ظاہر ہے کہ

آپ اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کی جانب نہ مائل ہوئے اور نہ جھکے ہی۔ پھر اس کے بعد ایک مقام پر اللہ تعالیٰ خود، حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس شانِ استقامت اور مضبوطی اور وابستگی حق کا برملا اظہار فرماتے ہیں کہ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ (اللہ کے نبی کی نگاہوں نے نہ تو دھوکا اور نہ فریب کھایا اور نہ ہی سرکشی و بغاوت کا ارتکاب کیا)

نبیٔ عالی مرتبت حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب ہر طرح کے غیر اللہ سے مکمل لاتعلقی اور چھٹکارہ حاصل کر لیا تو آپ بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو کر اللہ کی راہ میں حائل تمام حجابات سے مبرّا ہو گئے۔ حجابات کشف ہوتے گئے اور پھر اللہ اور اس کے نبی کے درمیان کوئی دوئی نہ رہی تاآنکہ پروردگار کی جانب سے ارشاد ہوا کہ "ہمارے پیغمبرؐ نے جو کچھ دیکھا اور ملاحظہ کیا اس کی تکذیب نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے دل سے بھی اسے حق اور سچ جانا۔ اور انہوں نے اپنے اللہ کو بغیر حجاب کے مکرّر دیکھا۔"

رَبِّ اَرِنِیْ

ایک عارف بزرگ سے روایت ہے کہ انہوں نے کبھی سے قرآن مجید کی آیت۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ۝ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی کہ اے میرے رب! میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔) اس عرض پہ باری تعالیٰ کی جانب سے جواب تھا۔ لَنْ تَرٰنِیْ ۝ وہ عارف بزرگ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی التجا میں جذبات اور لگن کی شدّت تھی۔ دیدارِ حق کا شوق اور دید کا اضطرار تھا۔ اس لئے پہاڑ تجلّیاتِ الٰہی سے معمور ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام "رَبِّ اَرِنِیْ" کا وِرد محو کر کے "تُبْتُ اِلَیْکَ" ۝ (یا پروردگار میری توبہ ہے) نہ بھی کہتے تو بھی ان کی طلب اور التجا کی شدّت و حدّتِ نظارۂ الٰہی

کی موجب بن جاتی - لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ پہاڑ تجلیات الٰہی سے جل اٹھا ہے۔ ان کا دھیان اپنے مطلوب سے ایک لمحہ کے لئے محو ہو گیا۔ اور یہی لمحہ آپ کے لئے حجاب بن گیا۔ کیونکہ اللہ اپنے اور اپنے دوست کے درمیان کسی حجاب کو قبول نہیں فرماتے۔

حضور نبی اکرم محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ "ایک بار میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے پاس دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں تھیں۔ انہوں نے وہ کنجیاں مجھے پیش کیں۔ لیکن مجھے ان دنیاوی خزائن سے کوئی رغبت یا طلب نہیں تھی۔ میں نے ان کنجیوں کو چھوا تک نہیں بلکہ مجھ پر تو اللہ تعالیٰ کی جلالت و ہیبت چھا گئی تھی۔ مجھے اللہ کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔"

ماسوائے محبوب: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود فرماتے ہیں کہ "میں نے آرزوئے حق میں تیس سال تک سعی کی مگر امید بر نہ آئی۔ پھر ایک دن پہاڑی وادی کے درمیان مجھے ایک بزرگ عارف دکھائی دیئے۔ میں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور گریہ زاری کی۔ لیکن وہ بلندی پر ساکت و جامد کھڑے رہے۔ پھر جب میری آرزو اور گریہ زاری حد سے بڑھ گئی تو وہ عارف بزرگ میری جانب متوجہ ہو کر گویا ہوئے کہ "اے سری سقطی میرا دامن چھوڑ دیں۔ اگر میں نے تمہاری طرف توجہ کی تو میرا پروردگار جو بہت غیرت والا ہے وہ مجھ سے خفا ہو جائے گا کہ میں نے اپنے محبوب کے سوا کسی اور کو اپنا دوست ٹھہرا لیا ہے۔ میرا یہ عمل مجھے عروج سے زوال کی گہرائیوں میں گرا دے گا۔"

غار والے بزرگ: حضرت ابو عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ کہیں مسافرت میں تھے۔ انہوں نے ایک بستی میں لوگوں کا ہجوم دیکھا تو آپ بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے اور دریافت کیا کہ عزیزو دوستو کیا ماجرا

ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس قریبی غار میں ایک اللہ کے بزرگ رہتے ہیں اور وہ ہمہ وقت عبادتِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں لیکن ایک سال کے بعد اس غار کے باہر تشریف لا کر عوام الناس کے لئے دعا فرماتے کے بعد پھر غار میں جا کر محوِ عبادت و ریاضت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوعبداللہ نے بیان فرمایا کہ "یہ سُن کر مَیں بھی اس اللہ کے عارف کی زیارت کے لئے اسی ہجوم کے ساتھ رُک گیا۔ پھر جب وہ اللہ کا بندہ غار سے باہر نکلا تو مَیں نے دیکھا کہ اس بزرگ نے بڑا بوسیدہ لباس پہن رکھا ہے۔ اور مَیں نے ان کا قرب حاصل کرنے کی خاطر بزرگ کا دامن پکڑ لیا۔ لیکن اللہ کے اس بندے نے مجھ سے اپنا دامن چھڑا لیا اور فرمایا کہ "میرا محبوب بڑا غیرت والا ہے۔ وہ میری توجہ کسی اور کی جانب پسند نہیں فرماتا" اور اس کے بعد وہ بزرگ حسبِ سابق دعا فرما کر اسی غار کے اندر چلے گئے۔

جنت کی جھلک: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے مسلسل تیس سال تک جنت اور اس کے اندر موجود نعمتیں اور نظارے دکھائے جاتے رہے لیکن مَیں نے کبھی ان کی جانب اس خیال سے توجہ نہ دی کہ میرا محبوب کہیں اس عمل کو ناپسند نہ فرمائے لیکن ایک دن سہواً میری نظر جنت کی ایک حُور کی طرف اُٹھ گئی۔ تو اس ایک نظر کی پاداش میں مَیں دس دن تک اللہ کی جانب سے روحانی فیوض سے محروم رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی عارف سے استفسار کیا گیا کہ کس حال میں ہیں؟ عارف نے جواباً فرمایا کہ تمام کونین میرے لئے حاضر رہتے ہیں لیکن مجھے ان کی جانب نظر پھر کر دیکھنے کا یارا ابھی نہیں۔

جذبِ کُلی: ایک اور بزرگ سے روایت ہے کہ "اللہ کے سوا کسی اور کو دائیں بائیں دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کا دیدار جذب کُلی کا متقاضی ہے۔ ایک دن دورانِ طوافِ کعبہ کوئی شخص میرا نام لے کر بھی مجھے پکار رہا تھا۔ جی میں آیا کہ پکارنے والے شخص کو دیکھ تو لیا جائے لیکن عین اسی ارادے ہی پر سرزنش کردی کہ "مجھے (اللہ کو) چھوڑ کر دوسروں پر توجہ دینے والا ہمارا دوست نہیں"۔ اس صورتِ احوال میں وہ بزرگ غش کھا کر گر پڑے۔

حکایت: دورانِ سفر ایک عارف کی سواری بھی جاتی رہی اور زادِ راہ بھی نہ رہا۔ پریشانی کے عالم میں اس بزرگ نے کسی کنوئیں کی جانب رجوع کیا۔ کنوئیں میں دیکھا تو وہ زرومال سے بھرا ہوا تھا۔ اور زروجواہر کنوئیں سے خود بخود اُبل اُبل کر باہر آنے لگے۔ اس کے ساتھ غیبی آواز بھی سنائی دینے لگی کہ جو دنیا کا طالب ہے ہم اسے دنیا دیتے ہیں، اس کا میرے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہتا۔ اس غیبی صدا پر اس بزرگ نے کنوئیں سے نکلتے ہوئے زروجواہر دوبارہ کنوئیں میں پھینک دیئے۔ اس پر دوبارہ صدا آئی۔ "اے میرے ساتھی، میرے دوست" پھر عارف بزرگ نے التجا کی کہ "میرے محبوب، میرے مولیٰ! تیری ذات اور پناہ کے سوا میرا ہر ارادہ متروک ہے۔ مجھے اپنے درِ اقدس سے دُور نہ ہٹا"

حضرت فتح موصلی نے ایک بار کسی معصوم بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کا منہ چوم لیا۔ اس پر غیبی آواز آئی "آج کے دن سے تیرے دل سے ہماری محبت ختم ہوئی"۔ اس سرزنش پر وہ بزرگ ایک زوردار چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔

دل میں غیر کا قیام: حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک دفعہ رباح بن قیسی کو ایک بچے سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ "رباح! آپ کو کامیاب محبت نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ آپ تو اس مختصر سے دل میں بھی اللہ کے سوا کسی اور کو جگہ دیتے ہیں"۔ رابعہ بصریؒ

کی یہ بات رباح کے دل کو لگی۔ اس پر غشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد جب پسینہ پونچھتے ہوئے ہوش میں آئے تو بولے کہ "رابعہ کی بات سچی تھی اور اس میں بڑی ہیبت تھی۔"

ایک روایت ہے کہ ایک دن
صرف اللہ سے محبت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے دونوں صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو زانوؤں پر بیٹھا کر ان کے چہروں کو دیکھ رہے تھے۔ اس کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو بڑے تھے، انہوں نے والد سے کہا کہ آپ ہم سے بے حد محبت فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے صاد کیا، تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے دوبارہ کہا کہ "کیا آپ کو یہ زیب دیتا ہے کہ آپ اپنے اللہ کے سوا کسی اور سے اتنی محبت کا اظہار کریں۔" اس یاددہانی پر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، بہت گریدہ ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ایک بار پھر سچی بات کی جانب اشارہ کیا کہ "محبت صرف اللہ کا حق ہے، اور اللہ سے محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے۔ اللہ سے مخصوص محبت میں کسی دوسرے کی شرکت ممکن نہیں۔"

بقول حضرت فتح موصلی: میرے دل میں میرے بیٹے کی محبت بھی جاگزیں ہونے لگی تھی۔ میں بیٹے سے پروانہ محبت اور شفقت کے بعد جب رات کو تلاوت کرنے لگا تو وہ پہلے کی سی کیفیت اور نشاط پیدا نہ ہوسکی۔ وظائف میں بھی لطف نہ ملا۔ دعاؤں میں بھی اثر کا نہ پیدا نہ ہوسکا۔ پھر عالم نوم میں مجھے یاد کرایا گیا کہ "اے فتح! مجھ سے دور ہو کر غیر کے پاس جانے والوں کا یہی حشر اور کیفیت ہوتی ہے۔" اس پر فتح موصلی نے التجا کی کہ "اے پروردگار میں اپنے بیٹے کو راہِ حق پر لانے کے لئے اسے شفقت پدری دینا چاہتا تھا۔" لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہی بچہ

اگلے لمحے بلکہ باپ کی بیداری سے بھی پیشتر رات پیشاب کرنے کے لئے اٹھا تھا کہ کنوئیں میں گر کر داعیٔ اجل ہو گیا۔

یَا حَبِیْبَ الْقُلُوْبِ مَنْ سِوَاکَا
طَالَ شَوْقِیْ مَتٰی یَکُوْنُ لِقَاکَا
یا انیسی و منیتی و مرادی
کذب القلب ان احب سواکا

ترجمہ: اے قلوب کو مرکزِ محبت و موانست بنانے والے خدا! میرے اس دل میں تیری محبت کے سوا کسی کا گزر نہیں ہے۔ میرا شوق اور جذبہ تو فراواں ہو رہا ہے۔ اب تیرے دیدار کے بغیر میرے لئے سکون و قرار ممکن نہیں ہے۔ اے میرے انیس و جلیس۔ اے میری مرادوں کی منزلِ انتہا۔ تو ہی میری مراد ہے۔ اس سطح پر اب اگر مَیں کسی دوسرے کی محبت کروں تو میرے تمام دعاوی کذب ہوں گے۔ اس لئے مَیں دل کی صداقت سے عاری نہیں ہونا چاہتا۔

باب - ۴

عارفوں کی عالی ہمتی

اصحابِ کہف : اے اہل اللہ یہ جان لو کہ عارفوں میں ادنیٰ اور پست درجہ اس عارف کا ہے کہ جو "اللہ" کہہ کر اقصائے دو عالم سے بے خبر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ اس کی یاد ہی سے محو ہو جائے۔ یہ حالت اصحابِ کہف جیسی ہے کہ جنہوں نے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کہا تھا کہ " رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ٥ (اے ہمارے ربِ جلیل تو ہی سمٰوات اور زمین کا پروردگار ہے، ربّ ہے۔)

اصحابِ کہف نے بیداری کے بعد جب اپنے پروردگار ہی کو پکارا تو اس وقت ان کے دل و دماغ اور وہم و گمان سے جنت، دوزخ، دنیا، عقبیٰ، عرش و کرسی، لوح و قلم اور نفس و روح سب محو ہو چکے تھے۔ انہیں اپنے ربّ کے سوا کسی دوسری طلب سے سروکار نہیں تھا۔ اسی لئے تو ان کے پروردگار کا ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ " فِتْيَةٌ" اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ٥ (یہ جوان اصحابِ کہف ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربِّ کریم کو اپنے دلوں سے محو نہیں ہونے دیا۔ اس لئے ہم انہیں مزید ہدایت سے فیض یاب کرتے ہیں)۔

جواں ہمت عارف : مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے مالک و خالق کو پہچان لیتے ہیں اور اسی کے در کے ہو

رہتے ہیں۔ عارف تو صرف اپنے پروردگار کا طالب ہوتا ہے، وہ اپنے اللہ سے محبت کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے قرب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی طلب اور معرفت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اللہ ہی کو طلب کرتا ہے۔ ایسے عارف عالی ہمت ہوتے ہیں۔ ان کی عالی ہمتوں پر کائنات کا نثار کر دینا بھی انہیں اپنے اللہ سے برگشتہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ایسے عارفؒ کو اللہ کے سوا کوئی اور شئے نہ مانگتے ہیں نہ چاہتے ہیں۔ وہ اپنی عبادت و طلب کی بلندی پر تقویٰ کا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ اسلام کا تاج سر پہ رکھتے ہیں۔ معرفت کا پرچم بلند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنا محل و مقام بناتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی سلطنت کو اپنی سلطنت بناتے ہیں۔ اللہ کی ہدایت کو اپنی پاکیزگی کا ذریعہ و وسیلہ بناتے ہیں۔ بھلا اس قدر بلند و بالا وابستگی کے بعد بھی کوئی درجہ اور مرتبہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہی بلندی اور رفعت اللہ کے جوان ہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کو ملتی ہے۔ عالی ہمت لوگوں کے بغیر بھی بھلا اس مقام و مرتبہ پر کوئی پہنچ سکتا ہے۔

عالی ہمت عارفوں کے لئے اللہ تبارک و

اللہ کے برگزیدہ: تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

(اے محمد ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے اپنے ایسے بندوں کو عالی ہمت بخشتے ہیں اور وہ لوگ اس کے حصول پر فرحت و خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ فرحت و انبساط اس مال و متاع سے بہت بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں)۔

جان لیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے چنیدہ بندوں کو بزرگی

اور فضیلت بخشتے ہیں۔ ایسے برگزیدہ بندوں کو اللہ صرف اپنی محبت کے لئے مخصوص اور مختص کر لیتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ چاہت جنت اور دہشت دوزخ سے بالکل آزاد اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ

حضرت شعیبؑ کا بیان : حضرت شعیب علیہ السلام شوقِ الٰہی سے ہمیشہ روتے رہتے تھے۔ اس قدر زیادہ گریہ زاری کی کہ آنکھیں جاتی رہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دوبارہ آنکھیں عطا فرما دیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس پر بھی روتے رہے، حتیٰ کہ آنکھیں پھر ضائع ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پھر آنکھیں بینا کر دیں۔ لیکن آپؑ بدستور روتے رہے۔ پھر بینائی سے محروم ہو گئے اور مسلسل روتے رہے۔ اس کیفیت میں پروردگار عالم نے بذریعہ وحی اپنے پیغمبر سے مخاطب فرمایا کہ اے شعیبؑ اگر دوزخ کے ڈر سے روتے ہو تو ہم دوزخ کو تم پر حرام کرتے ہیں اور اگر جنت کی طلب و چاہ میں روتے ہو تو حصول جنت آپ کے لئے یقینی ہے۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام معروض ہوئے کہ اے میرے مالک و خالق میرا رونا اور آنسو بہانا صرف تیرے ہی لئے ہے۔ جنت کی چاہت یا دوزخ کے کھٹکے کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس پر دوبارہ وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اے شعیبؑ! اس صورت میں تمہارا مرض جو عشقِ الٰہی ہے۔ وہ لاعلاج ہے۔ اس میں تڑپ اور طلب کی کوئی حد و سد ہی نہیں ہے۔ بلاشبہ اس مرض کا علاج میرا دیدار ہی ہے۔ دیدار محبوب سے بڑھ کر اور بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

اسی پس منظر میں حدیث نبوی ہے کہ "لَا رَاحَةَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ دُوْنَ لِقَاءِ اللّٰهِ" (دیدار رخ یار سے بڑھ کر مومنین کے لئے اور بھلا کون سی راحت و

خوشی ہو سکتی ہے۔)

مشروط عبادت: اللہ کے ایک نبی کی ملاقات ایک بار ایسے گروہِ انسانی سے ہوئی جو بڑی عبادت کرتا تھا۔ اللہ کے نبی نے اس گروہ کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ اتنی عبادت کس لئے کرتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگوں نے بتایا کہ ہمیں پیغمبروں کی تعلیمات سے دوزخ اور جنت کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے، اس لئے ہم دوزخ کے ڈر سے اور جنت کی طلب کی خاطر بے تحاشا عبادتِ الٰہی کرتے ہیں۔ ہم رات دن عبادت میں لگے رہتے ہیں۔" اس پر اللہ کے نبی نے فرمایا کہ عبادت کا یہ طریقہ عبادت تو ضرور ہے لیکن اس میں غرض و غایت شامل ہے۔ یہ عبادت مشروط عبادت ہے لیکن ہم عبادت صرف اپنے اللہ ہی کے لئے کرتے ہیں۔ جہنم اور جنت کو ہم اپنی عبادت کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے۔

تین گروہ تین درجے: بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک ایسے انبوہِ انسانی پر ہوا کہ جو نحیف کمزور اور ناتواں تھا۔ یہاں تک کہ ان کے چہروں کی رنگت بھی بدل چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ "ہمیں دوزخ کے ڈر نے اس سطح پر پہنچا دیا ہے۔" اس پر آپؑ نے فرمایا۔ "خائف لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا تحفظ اور امن بخشتے ہیں۔"

اسی طرح پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر انسانوں کی ایک اور ایسی جماعت پر ہوا۔ یہ لوگ پہلے والے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کمزور، لاغر اور پژمردہ تھے۔ اس جماعت کے لوگوں کے چہرے اور رنگت بالکل بدل چکی تھی۔ جب ان لوگوں سے ان کی حالت و کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم جنت کی طلب میں اس درجہ پر پہنچے ہیں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بلا شبہ

جنت طلب کرنے والے کو جنت عطا کریں گے اور آپ لوگوں کی امیدیں پوری ہوں گی۔

پھر اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک تیسری جماعت پر بھی ہوا۔ ان لوگوں کی حالت اور کیفیت پہلے دونوں گروہوں سے زیادہ غیر تھی۔ یہ لوگ ہر طرح سے زیادہ قابل رحم تھے۔ جب ان لوگوں سے ان کی حالت اور کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوقِ دید میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "آپ لوگ صحیح معنوں میں اللہ کے مقرب ہیں"۔ آپ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔

عبادت گزار اور مرادیں:

روایت ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن اللہ کے نیک بندوں کی جماعت سب سے جداگانہ ہوگی۔ یہ بڑی جماعت پھر تین حصوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ پہلی جماعت کے گروہ سے اللہ تعالیٰ ان کی دنیاوی عبادت کے بارے استفسار فرمائیں گے۔ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اے اللہ ہم نے تیری عبادت تیری بنائی ہوئی اور نوید سنائی ہوئی جنت کے لئے کی ہے۔ ہم جنت اور ان کی نعمتوں کے طالب رہے ہیں۔ ان کے جواب پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ ہم نے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا ہے اور تمہیں جنت بھی بخش دی ہے۔ اور اس پر مستزاد اپنے فضل سے تمہیں جہنم سے بھی آزاد کر دیا ہے۔

پھر عبادت گزاروں کا دوسرا گروہ سامنے ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس گروہ کے لوگوں سے ان کی عبادت کا مدعا دریافت فرمائیں گے۔ وہ لوگ عرض کریں گے کہ ہم دوزخ کی آگ سے پناہ مانگنے کی خاطر عبادتِ الٰہی میں مشغول و مصروف رہے۔ اس پر بھی ارشادِ باری ہوگا کہ "اے میرے بندو! میں نے آپ لوگوں کو جہنم کے عذاب سے محفوظ کر لیا اور اس پر مستزاد اپنے فضل و کرم سے آپ لوگوں کو جنت اور اس کی تمام نعمتوں سے

بھی فیض یاب کر دیا ہے۔

ان دونوں عبادت گزار لوگوں کے گروہوں کے بعد ایک تیسرا گروہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں سے بھی عبادت اور عمل کے بارے میں پوچھیں گے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے کہ اے مولیٰ کریم ہم محض تیرے قرب و دیدار کی طلب میں عبادت کی سعی کرتے رہے۔ ہمیں بارگاہِ خداوندی میں حاضری مطلوب تھی۔ ان لوگوں کے اس جواب پر اللہ جل شانہ، فرمائیں گے " اے میرے عزیز بندو! تم سچ کہتے ہو کہ تم نے واقعی ایسا ہی کیا اور اپنے فکر و عمل سے بھی یہی ثابت کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح تمہیں میرا شوق تھا مجھے بھی تمہارا شوق تھا۔" اس فرمان کے ساتھ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ ان بندوں کے تمام حجابات ختم کر دیں گے۔ اور مرحلہ دید و دیدار طے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے " اے میرے دوستو! میرے طالبو! تم پر اللہ کی جانب سے سلامتی ہو۔ اب میں مدام تمہارے ساتھ ہوں۔ قسم ہے مجھے عزوجاہ کی کہ یہ کائنات اور دونوں جہاں میں نے تمہارے لئے پیدا کئے ہیں۔ اب تمہیں وہ تمام نعمتیں ملیں گی جن کی تم لوگوں نے کبھی خواہش اور آرزو بھی نہیں کی تھی۔ اب اطمینانِ قلب، سکون و راحتِ روح، مسرتیں، لذتیں اور خوشیاں تمہارے لئے مدام کر دی گئی ہیں۔" لیکن اللہ کے ان بندوں کو لذتِ دیدارِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت اپنی جانب مائل نہیں کر سکے گی حالانکہ ان نعمتوں کا ایک ذرہ بھی اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے پوری کائنات پر فائق ہوگا۔

ہر عابد اپنے معبود کے ساتھ: حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اے گروہِ انسانی دنیا میں تم نے جس جس معبود کو چاہا اب بھی ان کے ساتھ ہی مل جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی اللہ کے سوا دنیا کے تمام اور ہر طرح کے معبود حاضر کر دیئے جائیں گے۔ ہر

طالب قدرتی طور پر اپنے مطلوب کے تعاقب میں چلنے لگے گا۔ یہ تمام باطل معبود اپنے پیروکاروں کو لے کر نارِ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (بے شک تم لوگوں نے میری عبادت میں جس طرح شرک کیا اور ان غیر اللہ کو اپنے پروردگار کا شریک ٹھہرایا تو ان ہی کے ہمراہ نارِ جہنم میں جاؤ۔ تم جہنم کا ایندھن بن جاؤ گے۔)

باطل معبودوں کی پوجا کرنے والوں کے بعد نیک اور عبادت گذار لوگوں کی ٹولیاں اپنے اپنے اعمال کی پیروی میں جنت میں جائیں گے جیسے کہ ارشادِ الٰہی ہے کہ "وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا ؕ (اور اللہ تعالیٰ کو چاہنے والے لوگ جو متقی ہوں گے وہ اپنے ربِ کریم کے فضل سے جنت کی جانب کئی زمروں اور گروہوں کی صورت میں چلائے جائیں گے۔)

ایک آخری گروہ اہل اللہ کا ہوگا۔ یہ عالی ہمت لوگوں کا گروہ ہوگا۔ ارشاد ہوگا کہ اے اللہ کے چاہنے والو تم اپنے مطلوب کی جانب جاؤ۔ لیکن بتاؤ تو سہی وہ تمہارا معبود ہے کون! یہ گروہِ عظیم بتائے گا کہ ہمارا مطلوب و معبود کسی تنظیر و مثال سے ماوریٰ اور مبریٰ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے ان طالبینِ حق کے دل کی کیفیت سے آگاہ ہو کر اپنے تمام حجاب دور کر کے دعوتِ دیدار دیں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہوگا "اے میرے مقرب بندو آج میرا دیدار کرو کیونکہ یہی تمہارے ساتھ میرے وعدے کا دن ہے"۔ اسی حوالے سے فرمانِ الٰہی ہے کہ "وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ؕ (اس روز کئی چہرے خوش و خرم ہوں گے اور وہ اپنے رب کا بھی نظارہ کریں گے۔)

عبادت میں اضافہ بلحاظ شوق:

حضرت ثابت البنانی اور حضرت مالک ابن دینارؒ ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کے یہاں تشریف لے گئے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے حضرت مالک بن دینارؒ سے پوچھا کہ آپ عبادت کس لئے کرتے ہیں؟ مالک نے بتایا کہ جنت کے حصول کی خاطر۔ پھر یہی سوال حضرت ثابت بنانی سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ دوزخ کے خوف سے وہ عبادت کرتے ہیں؟

حضرت رابعہ بصریؒ نے ان جوابات پر فرمایا کہ "مجھے تو اللہ تبارک وتعالےٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس کی عبادت جنت حاصل کرنے کی خاطر یا دوزخ سے بچنے کے لئے کروں۔ یہ عبادت نہ مزدور کی مزدوری کی طرح اور نہ آقا کے غلام کی طرح ہے۔ یعنی مزدور صرف مزدوری حاصل کرنے کی غرض سے کام کرتا ہے اور غلام اپنے آقا کی قبضہ میں ہونے کے حوالے سے ڈر کے تحت کام کرتا ہے۔"

اس پر ان دونوں بزرگوں نے وہی عبادت کا سوال حضرت رابعہ بصریؒ سے کیا تو عابدہ رابعہ نے بتایا کہ "اللہ کی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی عبادت کسی شرط یا حصولِ مقصد کے بغیر کی جائے۔ اس عبادت کو کسی طرح کے لالچ کی آسائش سے پاک رکھا جائے اور شوق کے مطابق اپنی عبادت میں اضافہ کیا جائے۔ یہی عبادتِ حق کا طریقہ ہے۔"

عالی ہمتی کی انتہا صرف اللہ:

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ "عالی ہمت لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے لَو لگا کر غیر اللہ سے بیگانہ و بے خبر ہو جاتے ہیں۔" اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے حضرت محمدؐ بن واسعؒ سے ان کی بلند ہمتی کا مقصود و منشا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ لامحدود جنت ہے۔ اس پر ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا کہ

"ہماری عالی ہمتی کا مقصود خالق کے بجائے اس کی مخلوق ہو، یہ ہمیں زیب نہیں دیتا۔ اے کاش اللہ تعالیٰ اس جہنم اور جنت کا تصوّر ہی ختم کر دے تاکہ بندہ یکسُو ہو کر صرف اور صرف اپنی عالی ہمتی کی انتہا اللہ ہی کو بنا سکے۔"

نعمتِ حق: ایک شخص نے حضرت ابو العلا بن زیادؒ کو اپنا خواب سنایا کہ ابو العلا بن زیاد جنتی ہیں۔ اس وقت ابو العلا مسجد میں موجود تھے۔ اس خوشخبری کو سُن کر وہ خوش ہونے کے بجائے زار و قطار رونے لگے اور پھر فرمایا کہ اے میرے خیر خواہ عزیز! مجھے اللہ کی اس نعمت سے محروم رکھنے کی کوشش نہ کریں کہ جس کے لئے مَیں مساعی کر رہا ہوں۔ مجھے نعمتِ حق کی طلب ہے اور مَیں جنت کے لالچ میں اس طلب کی نعمت سے دُور نہیں جانا چاہتا۔ جب کسی کو حق کی معرفت مِل جائے تو پھر وہ کہیں اور نہیں جا سکتا۔

بقول حضرت رابعہ بصریؒ وہ تیس سال تک روتی رہیں۔ دس سال اللہ تعالیٰ کے خوف اور ہیبت سے، دس سال اپنے پروردگار کی راہ میں اور پھر دس سال اسی پروردگار کے شوق و طلب میں۔

ایک بار جب حضرت ذوالنون مصریؒ وعظ فرما رہے تھے تو جہنم اور جنت کے ذکر سے سامعین زار و قطار رو رہے تھے لیکن ایک مردِ حق اس وقت مسکراتے رہے تھے۔ وعظ کے بعد حضرت ذوالنون مصریؒ نے اس نوجوان سے ہنسنے اور مسکرانے کا باعث پوچھا اور کہا کہ کیا تجھے دوزخ کا ڈر نہیں ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے اس سوال پر اس شخص نے جو عارف تھا کچھ شعر پڑھے۔ "گویا تم لوگوں نے عبادتِ الٰہی کو صرف دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے اپنا رکھا ہے اور اپنی عبادت کا مدعا دوزخ سے بچ جانے ہی کو سمجھ لیا ہے۔ اور اسی طرح جنت کے ذکر سے تم لوگ جنت کی نعمتوں اور وہاں کی لذتوں اور فیاضیوں کے متمنی ہو۔ لیکن ہمیں تو کسی جنت کی طلب و آرزو نہیں ہے کیا جنت کسی محبوب و مطلوب کا بدل ہو سکتی ہے۔

باب - ۵

عارفوں کی ہمّت اور اللہ کی معرفت

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں :

اے عالی ہمت اللہ والو! میری بات غور اور توجہ سے سُن لو۔ یہ عالی ہمتی اور اولوالعزمی ہے کہ دنیا طلب کرنے والوں کو دنیا دے دی جائے اور جو عقبیٰ کے طالب ہیں ان کے سپرد عقبیٰ کر دی جائے جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔ ایسے طالبانِ حق کو اگر اللہ تعالیٰ جہنم میں بھی ڈال کر عذاب الیم میں مبتلا کر دیں تو وہ اللہ سے دوزخ کی پناہ نہیں مانگیں گے بلکہ وہ تو اپنے رب ہی کے طلب گار رہیں گے۔ وہ اپنا ہر طرح کا سکون اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہی میں طلب کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے پروردگار کے بدلے میں ہرگز دنیا یا عقبیٰ قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ہمتیں بلند اور حوصلے پختہ ہوتے ہیں۔

جنّت کی رعنائیاں : اللہ کے طالبوں کو اگر جنت اپنی تمام تر رعنائیوں، رفعتوں، نعمتوں اور بشارتوں کے ساتھ بھی دے دی جائے تو وہ اپنے پروردگار کے بدلے میں اسے حقیر سمجھتے ہیں۔ اس کائنات اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے اسے بھی وہ اپنے رب اور محبوب کے بجائے خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ ان لوگوں کی بلند ہمتی اور اللہ سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور آتشِ نمرود: ربُّ العزت اپنے عالی ہمت لوگوں کی مثال دیتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی آگ میں جلنے کا قطعاً کوئی ڈر خوف نہیں تھا۔ کیونکہ جب نمرود نے انہیں آگ میں پھینکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ سے کسی عقوبت یا ایذا کے بجائے راحت و سکون میسّر آیا تھا۔ انہیں اس آگ میں سے بھی لذّتِ الٰہی نصیب ہوئی تھی۔ ان کی آگ میں پڑنے سے ملنے والی لذت کسی جنتی کی راحتِ فردوس سے بھی زیادہ سکون بخش تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے دوست تھے، وہ عشقِ الٰہی میں سب کچھ بھول چکے تھے۔ اسی لئے انہیں نمرود کی آگ اور اس کی المناک تپش اور جلن کی بھی کوئی پرواہ نہ تھی۔

جس عاشق الٰہی کا دل و جان پہلے ہی اپنے پروردگار کے عشق اور طلب میں سوختہ ہو چکے تھے۔ اس لئے ان پر بھلا آتشِ نمرود کیا اثر کر سکتی تھی۔ کسی جلے ہوئے کو آگ کیا جلائے گی۔ ایسی صورت میں تو آگ کو خود یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ خود برودت میں تبدیل ہو جائے گی۔ حالانکہ آگ کا وصف و فعل جلانا ہے لیکن پہلے سے سوختہ لوگوں کو جلانے کے لئے آگ خود ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تو معرفتِ الٰہی اور آتشِ عشقِ حقیقی سے پہلے ہی آتشِ نمرود سے کہیں بڑی آگ کا مزہ چکھ چکے تھے انہیں بھلا یہ نمرودی آگ کیا کہہ سکتی تھی۔ اسی آتشِ حقیقی کے باعث آتشِ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جلانے سے معذوری کا عملی اظہار کر دیا تھا۔ اس طرح اپنی ازلی صفت کے برعکس غالب آنے کے بجائے مغلوب ہونا قبول اور پسند کر لیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام عشقِ حقیقی کی آگ میں جل کر ہر طرح کی آتش سے بلند و بالا ہو چکے تھے۔ اسی موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا تھا کہ "یَا نَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ﴿﴾ (اے آگ تیرا کام اور صفت اگرچہ

جلاتا ہے لیکن تو اب اس قدر سرد اور ٹھنڈی ہو جا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تو سلامتی بن جائے۔)

نورِ مومن اور نارِ جہنم ؏

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حکم کے ساتھ، اپنے دوست اور طالب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ کو ایذا رسانی کے بجائے برودت میں بدل کر باعث سلامتی اور سکون بنا دیا تھا۔ لہٰذا اس نمرودی آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا اور نہ عقوبت اور اذیت ہی پہنچائی بلکہ جلانے کے بجائے ٹھنڈک اور برودت بخشی اور ایذا اور جلن کے بجائے سکون اور سلامتی بلکہ راحت بخشی۔

اسی پس منظر میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے بندے جو عشق الٰہی کی آگ میں جل چکے ہوں گے، وہ اس دہشت ناک اور نہایت نازک واسطے یا راستے سے گزر رہے ہوں گے تو اس وقت المناک آگ والا دوزخ پکار اُٹھے گا کہ اے مومن بندو! یہاں سے عجلت میں گزر جاؤ کیونکہ تمہارے اندر موجود نورِ الٰہی کے باعث میری نارِ (جہنم) ٹھنڈی ہوئے جا رہی ہے۔ مَیں کسی مومن کو جلانے کا بھلا کیا سوچ سکتا ہوں بلکہ مجھے تو اس مومن کی موجودگی میں اپنی آگ ماند پڑنے کا خدشہ ہے۔

حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ نمرود حکمران نے جب اپنے خداؤں کو خوش کرنے کی خاطر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلائے حق سے بچنے کے لئے انہیں کئی دنوں تک جلائی اور بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالنے کا اپنے کارندوں کو حکم دیا تو اس پر اللہ کا پیغمبر اور دوستِ الٰہی بجائے کسی خوف و دہشت میں مبتلا ہونے کے زیادہ خوش اور ہشاش بشاش ہُوا۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "اے باطل کے پرستار تو نے اپنے باطل اور کاذب معبودوں کو خوش کرنے کی خاطر جو آگ بھڑکائی ہے وہ

بہت حقیر اور کمزور ہے۔ میرے معبودِ حقیقی نے میرے اندر جو آتشِ عشقِ حقیقی بھڑکا رکھی ہے اس کے مقابلے میں تمہاری یہ آگ بالکل بے بس ہے، تمہاری یہ آگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔" میرے لئے میرا مالک اور معبودِ حقیقی ہی کافی ہے۔ وہی میرا حامی اور مددگار ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے آگ یا اس کی تپش کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تم اپنے باطل خداؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنا عمل کرو۔ اور میرا معبودِ حقیقی مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ مجھ سے غافل نہیں ہے۔"

عارف کے لئے دوزخ کی حقیقت: حضرت یحییٰ بن معاذ رازی نے ایک بار فرمایا کہ "اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی طلب اور معرفت میں نارِ جہنم میں بھی ڈال دے تو جہنم میرے لئے جنت سے بہتر اور افضل ہوگا۔" لوگوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا نقطہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ نارِ جہنم کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نارِ جہنم بے ضرر ہو جاتی ہے بلکہ اس میں معرفتِ الٰہی کی ایک لذت ہوتی ہے اور عارف اس لذت کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جانا چاہتا۔ اہلِ معرفت کی عالی ہمتی کے باعث وہ دوزخ بجائے تکلیف کے آرام اور سکون کا مقام بن جاتا ہے۔" مزید فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام آغاز میں تو جنت میں ہی تھے۔ لیکن یہ جنت ان کے لئے سکون کے بجائے باعثِ آزار بن گئی تھی۔ اس جنت کی حیثیت ان کے لئے قید خانے کی سی ہو گئی تھی لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ انہیں دنیا میں لانا تھا تو جنت کو بھی قید خانہ بنا دیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ نمرود برودت بن کر باعثِ سکون و راحت ہو گئی تھی۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ کا فرمانا ہے کہ عارف کے لئے دوزخ میں بھی سکون اور راحت ہے۔ اس لئے کہ اہلِ معرفت اپنی معرفت کے باعث دوزخ میں خوش و خرم رہ سکتا ہے۔

اہلِ جنت اپنے اعمال کے پیشِ نظر جنت سے لطف اندوز ہوں گے لیکن اہلِ معرفت تو دوزخ میں بھی اپنی معرفت کے باعث تسکین سے رہیں گے۔ معرفتِ الٰہی کا یہی امتیاز ہے کہ یہ دوزخ کو بھی اپنے عارفوں کے لئے بذریعہ سکون و راحت بنا دیتی ہے۔

شیخ ابو اسحاق سجستانی فرماتے ہیں کہ مردِ حق اور اللہ کے عارف نارِ جہنم کے اندر بھی اپنے پروردگار ہی سے محبت کرتے ہیں۔ انہیں دوزخ کی آگ بھی ان کے مولیٰ سے دور نہیں رکھ سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جہنم واصل کرتے ہیں۔ جو اسے ترک کر کے باطل معبود بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں ہی کے لئے ارشادِ باری ہے کہ: فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۵ (پس آج کے دن تم لوگ دوزخ ہی کا مزہ چکھو کیونکہ تم نے اللہ کو بھلا رکھا تھا۔)

رضائے الٰہی:

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اپنی التجا اور دعا میں فرمایا تھا کہ اے میرے معبودِ حقیقی تو میرے حال کو خوب جانتا ہے کہ میرے نزدیک اب جنت اور اس کی فضیلتیں اور نعمتیں مجھ کے پَر کی اہمیت اور وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ یا رِ الٰہا تو نے مجھے اپنی معرفت سے سرفراز رکھا ہے۔ اب تمہاری محبت میرے دل میں اس قدر شدت سے موجزن اور جلوہ گر ہے کہ میرا ہر عمل اور میرا غور و فکر سب تمہارے ہی لئے اور تیری ہی طلب میں ہے۔ مَیں جنت کے مقابلے میں تیری عبادت اور خوشنودی کو قبول کرتا ہوں۔ اگر مَیں عبادتِ الٰہی کے بجائے جنت قبول کر لوں تو یہ بشری اور بدنی ضرورت ہو گی لیکن مَیں تو عبادتِ حق میں معرفتِ الٰہی کی جانب سفر کرتا رہوں گا۔ کیونکہ اے میرے پروردگار معرفتِ الٰہی کی راہ میں کوئی لالچ نہیں ہوتا اس میں صرف رضائے الٰہی ہوتی ہے اور بندہ اس رضائے الٰہی کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے۔

حضرت ابو عبداللہ نے فرمایا کہ " اگر اللہ تعالیٰ جنت اور جہنم میں انتخاب کا مجھے اختیار دیں تو میں جہنم کو بخوشی قبول کر لوں گا۔ اور میری عرض ہوگی کہ اے پروردگار تمام اہل جہنم کے بجائے مجھ اکیلے ہی کو اس جہنم میں ڈال دے۔ اور اس کے بجائے اہل جہنم کو جنت عطا فرما دے۔ تمام انسانوں کے عذابوں کا بوجھ مجھ پر ڈال دے، میں اس بوجھ کو بخوشی اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ اے رب جلیل میں نے اپنے دل سے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اے قدرت والے خدا اس حالت میں صرف اور صرف میری زبان کو قوتِ ذکر الٰہی سے فیض یاب رکھ تاکہ میرا دل تیری معرفت سے خالی نہ ہونے پائے۔

اسی خاص بیان کے زمرے میں حضرت عبداللہ بن عزیز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ سے کئی بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ خواب کے عالم میں قیامت قائم ہوگئی ہے۔ میری التجا اور دعا کے مطابق منادی کی گئی کہ عبداللہ کہاں ہے اور کیا اسے اپنا وعدہ اور بیان یاد ہے۔ اس پر میں نے برملا ایک بار پھر اپنے اسی وعدے اور بیان پر قائم رہتے ہوئے اقرار کیا کہ بنی نوع انسان کے بارے میں مجھ اکیلے ہی کو دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ پھر منادی نے کہا کہ اب تمہارا پھر ایک امتحان لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی دوزخ کی ہیبت اور دہشت کی اذیت چکھانے کے لئے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا۔ مجھ پر شدید دہشت اور ہیبت طاری ہوئی لیکن پھر بھی میں اپنے وعدے پر قائم رہا اور پھر عالم خواب منقطع ہوگیا۔

معرفت کا چشمۂ فیض: بعض علماء کے نزدیک معرفتِ الٰہی اصل میں ایک پُر عظمت چشمۂ فیض ہے۔ طالبانِ حق کو اگر اس چشمۂ فیض سے ایک کاسہ نصیب ہو جائے تو پھر اسے دنیا یا عقبیٰ کی کسی شئے کی ضرورت نہیں۔ چشمۂ فیض سے حاصل ہونے والا کاسہ اپنا اثر اور لذت ابد تک قائم اور برقرار رکھتا ہے۔

اللہ کا جو بندہ معرفت کے اس چشمۂ فیض سے ایک پیالہ پی لیتا ہے وہ اس دنیا اور عقبیٰ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جنت کی سکونت اور جنت کی نعمتیں بھی اس کے سامنے ہیچ ہوتی ہیں۔ جنت کی بشارتیں بھی اسے نہیں للچاتیں۔ ان نعمتوں سے کنارہ کش ہونے کے ساتھ ساتھ معرفت کے چشمۂ فیض سے پیالہ نوش جاں کرنے کے بعد وصال محبوب کے بجائے اپنی کمتری کے باعث دوزخ کو بخوشی قبول کر لیتا ہے اور اس کی ہمت جس قدر عالی ہوگی وہ اسی قدر زیادہ دوزخ کو قبول کرے گا تاکہ وہ اپنے خدا کے رُو برُو شرمندگی سے بچ سکے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ابھی خدا سے وصال کے لائق نہیں تو تادیر دوزخ کے المناک عذاب برداشت کرتا رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے روایت

معرفت پانے والے: ہے کہ وہ التجا کر رہے تھے کہ: اے میرے پروردگار لوگ تجھے پاکر بھی تجھ سے دُور کیوں ہو جاتے ہیں۔ انہیں تیری ذات کے قرب کے سوا کہیں اور کیا مل سکتا ہے۔ اس پر ارشادِ باری ہوا کہ "اے موسیٰ! صورت ایسی نہیں ہے۔ اصل میں جو ایک بار میری طرف آجاتا ہے وہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتا۔ مجھ تک جو پہنچ جاتا ہے وہ کبھی منہ نہیں موڑتا۔ اور جو لوگ میری راہ سے ہٹ جاتے ہیں وہ تو راستے ہی سے مُڑ جاتے ہیں۔ انہیں مجھے پاکر منہ موڑنے والے نہیں کہا جاسکتا۔ اور جو راستے سے نہ پلٹا اور استقامت سے عالی ہمت کے ساتھ ڈٹا رہا پھر وہ واپس نہ ہو سکا۔

حدیث میں بیان ہے کہ ایک بار حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکٹھے کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس امر کا اقرار کیا کہ آج ان سے ایک کبیرہ گناہ اس طرح ہوا ہے وہ چلتے میں کسی عورت سے ٹکرا گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ تو میرے ساتھ تھے

لیکن یہ ہوا کیسے؟ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے وضاحت کی کہ " میرا دل اور نظریں تو اللہ پر لگی ہوئی تھیں۔ میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ کی یاد اور طلب ایک ثانیہ کے لئے بھی میرے دل سے محو ہو۔ اگر میں کہیں اور دل لگاتا تو پل بھر کے لئے بھی میرے قلب وجگر سے معرفتِ الٰہی کا گزر نہ ہوتا۔" اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ " اے یحییٰ بن زکریا! تمہیں یہ مقام و مرتبہ اور معرفتِ الٰہی مبارک ہو۔"

اوصافِ عارف: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس دنیا اور عقبیٰ و آخرت میں عارف کی عالی ہمت سے افضل اور بڑی کوئی شئے نہیں ہے۔ عارف اپنی ہمت میں بلند، ارادے میں پختہ اور یقین میں کامل ہوتا ہے۔ عارف مردِ کامل اور صاحبِ کمال ہوتا ہے۔ وہ دونوں جہانوں سے ماورائی اور بے نیاز ہوتا ہے۔ عارف سراپا مجسمۂ روحانیت اور سرچشمۂ خیر و برکت ہوتا ہے۔ اس کی بلند ہمتیں اسے بلند و بالامقام پر فائز رکھتی ہیں۔ عارف میں شانِ قدوس اور اللہ کا نور موجود ہوتا ہے۔ عارف پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کھل کر اپنا اثر و اظہار دکھاتی ہیں۔ عارف اللہ کی امانت کو بحسن و خوبی ادا کرتا ہے۔ عارف عام خرد و شعور سے بلند اور ادراک کے کمال پر ہوتا ہے۔ عارف کے نزدیک غیر اللہ کا وجود ہی شرک ہے۔ عارف اپنے مولیٰ سے مل کر معرفت حاصل کرتا ہے اور پھر اپنے وجود کو وجودِ باری تعالیٰ کے قرب کے دریا میں جا کر گم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عارف اپنا وجود باری تعالیٰ کے قرب کے بعد معدوم کر دیتا ہے۔ عارف کی یہی تہدیمِ ذات و وجود اسے عظمت بخش دیتی ہے۔

باب - ٦

عارفوں کا تحفظِ نفس

صیانت اور طریقت: حضرت ابو القاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:

اے طالبانِ حق! طریقت اور صیانتِ نفس معرفت کے دو بڑے شعبے ہیں۔ یہ دونوں شعبے آپس میں مربوط بھی ہیں۔ بندے کی عبادات پر حاوی بھی ہیں۔ ان دونوں کا تعلق حیا اور حُرمت سے ہے۔ ان شعبوں کا مقصد بندۂ مومن کے دل کو تمام علائق سے جدا کر کے اور ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور منزّہ کر کے راہِ حق میں لگانا ہے۔

صیانت کے معنی ہیں حفاظت اور تحفظ کے بعد کسی شئے کو قلعہ بند اور محفوظ کر دینا۔ یہاں پر صیانت یہ ہو گی کہ عارف اپنی تمام تر احتیاجات اور ضرورتوں کے طمع سے اپنے آپ کو آزاد کرے۔ اس پر اپنے نفس کی بھرپور حفاظت کرے، کسی سے کوئی غرض طلب نہ کرے۔ اس قلعہ بندی میں آنے کے بعد اگر وہ طلب کرے تو اللہ ہی کا طالب ہو۔ قربِ الٰہی اس کا مدعا و منشا ہے۔ پھر اس کی جو ضروریات یا حاجات ہوں گی، ان کا کُلی ذمے دار اس کا اللہ جو اس کا مطلوب بھی ہے وہی ہو جائیگا۔

نفس کی قلعہ بندی: نفس کی اس قلعہ بندی کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ وہ خارجی اور دنیا و عقبیٰ کی حاجتوں اور

یورشوں سے محفوظ ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسے اپنے پروردگار کی جانب لو لگانے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ اور اپنے تمام دنیاوی اور اُخروی امور اسی ذات باری کو تفویض کر دے جس کا وہ طالب ہے۔ اس حالت میں اگر اس پر کوئی آفت یا مصیبت آن پڑے تو اسے بھی دنیاوی انسانی سہاروں کی بیساکھیوں سے نہ موڑے اور ٹالے۔ بلکہ اس کے لئے بھی اپنے محبوب پر چھوڑ دے کیونکہ وہ محبوب حقیقی احسن اور بہتر طور پر خبیر اور علیم ہے کہ اس کا بندہ کس حال میں اور کہاں ہے۔

عارف وہ ہے جو اپنے سوال کو دل میں بھی نہ لائے اور زبان سے بھی اس کا اظہار نہ کرے۔ کسی زعم کے بھرتے پہ اپنے پروردگار کا شاکی بھی نہ ہو اور کسی طرح کا عملی احتجاج بھی نہ کرے۔ عارف وہ ہے اگر اس کا سوال ہو بھی تو وہ صرف اور صرف طلب حق ہی کا ہے۔ عارف کی طلب، دعا اور سوال صرف وصال حق اور دیدارِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔

سوال کرنے سے بچنا: ارشادِ نبوی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے کہ "کون ہے جو میری بات مانے، ایسے شخص کے لئے مَیں رضوانِ اکبر یعنی اللہ کی بڑی رضا کی نوید اور خوشخبری دیتا ہوں"۔

اس وقت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبئ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زیادہ قریب تھے۔ لہٰذا انہوں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاد کو مانتے ہوئے کہا کہ "بندہ اس امر کو ماننے کے لئے دل و جان سے تیار ہے"۔ پھر نبی عالی مرتبت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ "کبھی کوئی شے کسی شخص سے طلب نہ کرو"۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی انسان سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا اور کسی سے کبھی کوئی غرض یا مطلب وابستہ

نہیں رکھا۔ گھوڑے کی سواری کے دوران میں اگر بر سرِ ہجوم بھی ان کا چابک یا چھڑی گر جاتی تو وہ کسی سے سوال کر کے چابک نہ لیتے۔

محتاج سے طلب: متعدد عارفوں کے بارے میں بیان ملتے ہیں کہ بعض صاحبانِ جاہ و منصب اور اصحابِ مال و متاع جب کبھی اللہ کے عارفوں سے ان کی حاجت اس نقطہ نظر سے پوچھتے کہ حاجت روائی کریں۔ اس صورت میں عارف جواب دیتے کہ "اے صاحب عزّ و جاہ و منصب اور اہلِ دوَل ہمیں تو اپنے پروردگار اور بادشاہوں کے بادشاہ سے کچھ طلب کرتے اور سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہم اس خدائے لایزال سے دنیاوی حاجتوں کو طلب کریں۔ کیونکہ وہی ہر شئے پر قادر اور ہر چیز کا مالک ہے۔ لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی غیر اللہ سے کچھ مانگیں کہ جو خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ جب مالک حقیقی سے کچھ مانگنے سے ہمیں حیا آتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی محتاج سے ہم مانگیں اور مانگیں؟"

ظرفِ سوال اور صیانت: حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں حکایت ہے کہ ایک آدمی نے آ کر ان سے صرف نصف دینار کا سوال کیا، لیکن حضرت سفیان ثوری نے انہیں پورا دینار دے دیا۔ جب اس عمل پر ان سے پوچھا گیا تو سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ "اس مانگنے والے کا اپنا ظرف اور عزتِ نفس تھی۔ اگر اس میں مانگنے اور طلب کرنے کا حوصلہ تھا تو میں کیوں اپنی عزتِ نفسی کی پاسداری نہ کرتا۔ اگر اس سائل نے اپنے نفس کی حفاظت اور صیانت کو توڑ دیا تو میں کیوں بخل سے کام لوں۔

عارف سائلِ بے نوا ہے: ایک بار حضرت سفیان ثوری چند افراد کی ایک جماعت کو اپنے ہمراہ

لے کر حضرت رابعہ بصریؒ کی خدمت میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ عارفہ رابعہ بصریؒ کی صحت کمزور ہے اور وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت رابعہ بصریؒ سے کہا کہ "آپ کا مقام و مرتبہ بڑا امتیازی اور بلند ہے۔ آپ کے معتقدین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ کسی سے اس صورت کا اظہار فرما کر حاجت روائی کروا لیجیئے۔" اس پر حضرت رابعہ بصریؒ نے نقاہت اور کمزوری کے باوجود یہ فرمایا کہ "سفیان! مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں یہ میری جان ہے، مجھے تو اپنے مالک و خالق سے بھی کچھ مانگتے اور سوال کرتے ہوئے لاج آتی ہے۔ مَیں تو اپنے اللہ سے اپنے قربِ الٰہی کے سوا کبھی کوئی سوال نہیں کرتی۔ تو بھلا پھر مَیں کسی انسان سے کیوں کچھ طلب کروں، اور وہ بے چارہ انسان جس کے اختیار اور ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہے، مَیں اس سے کیوں کسی چیز کا مطالبہ یا آرزو کروں۔"

پھر کچھ توقف کے بعد حضرت رابعہ بصریؒ نے مزید فرمایا کہ "ہر صوفی عارف کے لئے لازم ہے کہ وہ رتبۂ معرفت حاصل کر کے اس پر قائم رہے، اور اپنے نفس کی کڑی حفاظت اور حصانت کرے۔ اپنے نفس کی حصانت کو توڑ کر اپنے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ذلیل اور پست نہ ہونے دے۔ کسی عارف کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ اپنے اللہ کی موجودگی میں کسی غیر اللہ سے اپنی حاجات طلب کرے۔ بلکہ عارف تو اپنے اللہ کے سامنے بھی گدائے بے نوا ہی کی طرح ہوتا ہے۔" آخر میں حضرت رابعہ بصریؒ نے سفیانؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے سفیان! تمہارے اس سوال پر اگر میں آپ کو پہچانتی نہ تو مَیں آپ کو اس مجلس سے بھی نکال دیتی۔"

حصانت کی باریکیاں:

روایت ہے کہ حضرت داؤد طائیؒ اپنی بیماری کی حالت میں اپنے حجرہ کے اندر ہی خاموشی کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ گئے۔ وہ نہ تو اپنی بیماری کا کسی سے حال کہتے اور نہ

کسی سے کچھ طلب کرتے۔ لوگوں نے اس زمرے میں کچھ طلب کرنے کے بارے میں زور دیا۔ تو حضرت داؤد طائیؒ نے فرمایا کہ "میرے لئے یہ بات بے حد ندامت اور قعرِ ذلت میں گرنے کی ہوگی کہ میرا مالک میرا پروردگار مجھے کسی دوسرے کے سامنے سائل کی صورت میں دیکھے۔ غیر اللہ سے سوال کرنا عارف کے شیوۂ معرفت کے عین خلاف ہے۔ عارف کو یہ کسی بھی صورت زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ اپنی صیانت کی دیواروں میں شگاف پڑنے دے۔"

لوگوں نے پھر عرض کی کہ اس مرحلے پر اپنی بیماری کے حوالے سے آپ اپنے اللہ سے تو دعا فرما سکتے ہیں نا! لیکن یہاں پر بھی حضرت داؤد طائیؒ نے بڑا مسکت جواب دیا کہ "میرے لئے یہ بھی ناممکن اور محال ہے کہ اپنے اس رب سے دعا کروں کہ جس نے خود میرے اندر یہ بیماری پیدا کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے یہ مرض اپنے کمال لطف و کرم، مہربانی اور ظاہری و باطنی علوم کے باوجود بھی مجھے دیا ہے۔ تو میں اللہ کا کس طرح کا بندہ کہلاؤں گا کہ جو اللہ کے اختیار پہ اپنی صحت کی خاطر اپنی مرضی حاصل کرتا ہوں۔ میں اپنے حال کے محرم سے کس طرح شفا کی درخواست کروں کیونکہ یہ مرض اور بیماری اسی اللہ کے حکم سے ہے۔ میں اس حکم کو روکنے کی خاطر کسی حیلے یا سہارے کو کام میں نہیں لانا چاہتا۔ بیماری عطا کرنا بھی پروردگار کا کام ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے اس کرم پہ سراپا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے اس لائق سمجھ کر یہ کرم فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہے کو ہر طرح کی حمد و ثناء زیبا ہے۔ بندوں پہ صرف احکام الٰہی کی بجا آوری لازم ہے۔"

ملاقاتیوں سے اس پہ بھی نہ رہا گیا تو کہا کہ یا حضرت اس مرض میں آپ اپنے حجرے سے باہر آکر دھوپ ہی تاپ لیا کریں تاکہ جسم کو سکون ہی مل سکے۔ لوگوں کی اس تجویز اور خواہش پہ بھی حضرت داؤد طائیؒ نے ایک بار پھر اپنی عالی ہمتی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس طرح کے عمل سے بھی مجھے

شرم آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "یہ بندہ اپنے نفس کی آسودگی اور سکون و خوشی کے لئے اب سورج اور ہوا کا سہارا حاصل کر رہا ہے"۔ اور میرے نزدیک اس طرح کی حیلہ سازیاں بھی معرفت الٰہی کے اصولوں کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں اختیار کرنے والا اپنے محبوب و مطلوب کے ساتھ سچا اور وفادار نہیں ہے۔

سوال ہمّت شکن ہوتا ہے: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت ابو عبداللہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اس وقت حضرت ابو عبداللہؒ کے پاس چاقو نما ایک تیز دھار والا چھوٹا سا آلہ تھا کہ جس سے کتابت شدہ الفاظ کو کھرچ کر درست کیا جاتا تھا۔ چونکہ میری ایک کتاب میں کوئی لفظ غلط لکھا ہوا تھا۔ اس لئے میری خواہش تھی کہ اس لفظ کو کھرچ کر درست کر لیا جائے۔ لہٰذا اسی خیال سے میں نے وہ تیز دھار والا آلہ ابو عبداللہ سے مانگ کر اپنی کتاب کا لفظ کھرچ لیا تھا۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ چاقو نما آلہ واپس کر دیا تو حضرت ابو عُبداللہ نے فرمایا کہ" اے امام زماں۔ کسی سے سوال نہ کریں کہ سوال آدمی کو حقیر بنا کر ذلّت سے دوچار کر دیتا ہے اور سوال کرنے والا اپنی ہمت کی بلندی سے گر جاتا ہے"۔ گویا عارف اور اہل اللہ تو اس طرح سے معمولی سوالات کو بھی گوارہ نہیں کرتے۔

ہمّت کا مقام عالی: حضرت بہلول جو اپنی معرفت میں مجذوب اور مجنون ہو چکے تھے وہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔ بھوک پیاس کے باعث وہ کتنی بھی مشکل میں ہوتے کبھی سے سوال نہ کرتے۔ لوگوں نے کئی بار عرض کی کہ کوئی طلب ہو تو ارشاد فرما دیا کریں۔ لیکن بہلول اس طرح کی حرکت پسند نہ فرماتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ " سوال کرنے سے عارف کی ہمت میں پستی آتی ہے۔ اس کی جرأت بزدلی میں بدل جاتی ہے۔ اس کی قوت مدافعت کمزور پڑ جاتی ہے۔ ہمت عارف

یہی ہے کہ وہ اپنی ہر طرح کی طلب اپنے مولیٰ ہی سے وابستہ رکھے۔ اپنی تمام حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے عارفوں کے تمام احوال سے باخبر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمت کا یہی بلند مقام ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی سے کوئی سوال نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ تو عارف کی ہر حالت اور کیفیت کو بغیر سوال و طلب کے بھی جانتا ہے۔"

دنیاوی وسوسے اور خواہش : حماد قریشی کا فرمانا ہے کہ ایک بار ادائیگی حج کے دوران میں نے ایک عمدہ سا رومال لیا۔ پھر اس رومال کے دو حصے کر کے ایک حصہ پہن لیا اور دوسرا حصہ اوڑھ لیا۔ پھر جب دوران حج میری ضروریات بڑھیں تو اس قیمتی رومال کے خریدنے کی طرف میرا دھیان گیا۔ اس گمان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ایک ایسی وادی دکھائی کہ جو چاندی سے بھری ہوئی تھی۔ یہ چاندی اللہ کی جانب سے میرے لئے اشارہ تھا۔ اس اشارے پر میں بے حد پریشان ہوا اور اللہ کے حضور میں التجا کی کہ "یا زمین و آسمان کے مالک و خالق! مجھے صرف تیری ہی طلب درکار ہے۔ مجھے اپنی طلب سے باہر نہ فرما۔ مجھے اپنے عزیز دوستوں کے اسی گروہ میں شامل رکھ جو تجھ سے تیرے سوا کچھ طلب نہیں کرتے۔ مجھے تیری راہ روکنے والی ہر شئے اور چیز سے گزر جانے کی ہمت عطا فرما۔ مجھے دنیاوی وسوسوں اور خواہشوں سے کلی طور پر پاک اور مبرا کر دے۔ میں تیری ہی راہ میں تیرے ہی لئے آتا ہوں۔ تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ مجھے اپنی ملکیت ہی میں پناہ دے۔"

حصانت، طریقت اور مروت : کسی نے حضرت حسن البواجروی سے پوچھا کہ "اے حضرت آپ نے تیس سال کے عرصے میں حضرت ابو عبداللہ سے کیا کسب فیض کیا اور کیا پایا؟" حضرت

حسنؒ نے فرمایا کہ "میں نے تین چیزیں سیکھیں۔ اوّل، صیانتِ نفس۔ دوم، طریقت اور سوم حسنِ اخلاق اور مودّت و مروّت۔ صیانتِ نفس یہ ہے کہ انسان سے کسی طرح کی طلب کی آس نہ لگائی جائے۔ اور طلب صرف اپنے پروردگار تک ہی رکھی جائے۔ اور اگر کوئی بن مانگے بھی پیش کر کے حاجت روائی کرے تو وہ بھی قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس سے بھی صیانتِ نفس میں کمزوری واقع ہوتی ہے۔ طریقت اور طریقۂ عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی کچھ اور نہ طلب کیا جائے ماسوائے اس کے دیدار و قرب کے۔ اور حسنِ اخلاق اور مروّت یہ ہے کہ قربِ الٰہی کے مقابلے میں دونوں جہانوں کی تمام نعمتیں اور حصولِ پروردگار کی لگن کے سامنے حقیر اور ہیچ ہیں۔"

ایک بار حضرت یحییٰ بن معاذؒ کی مجلس میں لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ تمام مجلس نے آپ سے وعظ فرمانے کی درخواست کی۔ اس فرمائش پر حضرت یحییٰ بن معاذؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور آپ وعظ فرمانے لگے۔ "اے حاضرینِ مجلس! میں نے خود آگ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے اور یہ آگ اپنی تپش سے ہمیشہ مجھے جلاتی اور تڑپاتی رہتی ہے۔ اس آگ نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ پھر میں اسی حالت میں اپنے مولیٰ اور پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ اے میرے رحیم و کریم خدا! مجھے اپنے در سے نہ ہٹا۔ میں اس آگ کی تپش اور جلن کے ساتھ اپنے آپ کو تیرے ہی حضور پیش کرتا ہوں۔ مجھے اپنے قرب سے محروم نہ فرما۔"

عارف آگ سے کھیلتا ہے

حضرت یحییٰ بن معاذؒ ایک خاص محویت کے ساتھ یہ وعظ فرما رہے تھے لیکن اس سے سامعین بے حال ہو رہے تھے وہ زار زار رو رہے تھے۔ کئی سننے والوں نے اپنے کپڑے بھی پھاڑ لیے تھے۔ سامعین پر ایک عجیب جذباتی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے وعظ جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "آج میں اسی آگ کے ساتھ

آپ لوگوں کے درمیان میں ہوں۔ اور میں آپ لوگوں کو استقامت پکڑنے اور صبر کی تلقین کرتا ہوں۔ اللہ ہی کا دَر سب سے بڑا اور سب کے لئے کھلا لیکن اس سے ہم کیا مانگتے ہیں۔ یہ مانگنے والے پر موقوف ہے۔ لیکن عارف اس دَر سے صرف اللہ ہی کو مانگتے ہیں"۔

بیان کیا جاتا ہے حضرت یحییٰ بن معاذؒ کے اس وعظ کے بعد سامعین میں کئی لوگ بے ہوش ہو چکے، کئی لوگوں نے اپنے گریبان چاک کر لئے تھے اور کئی تو راہی عدم ہو گئے تھے۔ اس وعظ کے بعد سامعین میں سے تیرہ مرد اور عورتیں وفات پا گئے تھے۔

حیاء سے متعلق سوال؟

ایک شخص نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد اس ارادے سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر گیا کہ ان سے حیاء سے متعلق سوال کرے۔ جب یہ شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو حضرت کے مصاحب خاص نے بتایا کہ اس وقت تو حضرت بایزید بسطامی عبادت الٰہی میں مشغول ہیں اس لئے وہ آپ سے نہیں مل سکتے۔ لیکن سائل اندر جانا چاہتا تھا۔ پھر جب سائل اندر داخل ہوا تو اسے ہر طرف اور ہر جگہ یہ حضرت بایزید بسطامیؒ ہی کا وجود نظر آیا کہیں بیٹھے یا کھڑے ہونے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ اس پر وہ گھبراہٹ اور خوف زدہ ہو گیا، اور پھر اسی وقت واپس چلا گیا۔

اسی سائل نے اگلے دن پھر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دَر پہ حاضری دی۔ دروازہ کھلا تو دیکھا کہ حضرت کا تمام وجود گلا ہوا ہے اور ایک خیال سا موجود ہے۔ سائل پھر رک سا گیا تو دیکھا کہ کمرے میں ایک خیال سا موجود ہے اور خیال حرکت کرنے لگا ہے۔ پھر اس شخص نے یہ بھی دیکھا کہ وہ خیال سے حرکت بھی کرتے لگا ہے۔ اس پہ سائل گھبرا کر حیران ہوا لیکن حضرت کے مصاحب خاص نے بتایا کہ حضرت کی کیفیات سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات مل جاتے ہیں۔

پہلے یہ کہ جب تمام مکان آپ ہی کے جسم سے پُر تھا تو وہ صرف کسی کو مشاہدہ کرنے کی حالت ہوتی ہے۔ دوسری جانب حیاء کی ہوتی ہے اس میں جسم کبھی موہوم سی شکل وصورت میں موجود ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اور تیسری حالت جو تُو نے دیکھی وہ حالت خوف تھی"۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم ایک ایسی بے برگ وگیاہ وادی میں گزرے کہ جس میں ہمیں جلد ہی بے تحاشا بھوک اور پیاس نے بھی آلیا۔ جی میں کئی طرح کے وساوس پیدا ہوئے۔ یہ بھی جی میں آیا کہ کسی سے کچھ طلب کرکے حاصل کرلیا جائے لیکن یہ مانگنا عارف کے توکل علی اللہ اور صیانت نفس کے خلاف ہے۔ اس پر میرے نفس نے اس خواہش کا مطالبہ کیا کہ کیوں نہ اس حالت میں سوال کرکے اپنے اللہ ہی سے کچھ مانگ لیا جائے۔ لیکن یہ طلب بھی شیوۂ معرفت میں کمزوری اور ناتوانی کی دلیل بن جاتی ہے۔ اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے پروردگار سے اس مرحلہ پر صبر وقرار اور سکون کی درخواست کی جائے۔ میری اس گو مگو کی حالت اور کیفیت پر ہاتفِ غیبی سے یہ آواز سنائی دی کہ" جو ہمارا بن جاتا ہے۔ ہم اسے اس کی حاجت طلب کئے بغیر دیتے ہیں۔ جو ہماری راہ پر ہوگا اسے ہم نہ تو ضائع ہونے دیں گے اور نہ بھٹکنے کی ہی مہلت دیں گے۔ جو ہمارے لئے ہماری راہ میں آجاتا ہے۔ اس لئے پھر ہم کافی ہو جاتے ہیں"۔

اس ارشاد پر حضرت ابوسعید اپنی حالت اور مقام کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کے اصل راز اور حقیقت سے آشنا ہو گئے۔

باب - ۷

کلام معرفت کرنے والوں کے لئے

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیںؒ کہ:

اے اہل اللہ یہ بات غور سے سُن لو اور اس پہ

عارفوں کی باتیں: توجہ دو کہ جن لوگوں نے عارفوں کو دیکھا کہ ان کے کلام کو سنا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ معرفت کی یہ باتیں اور ارشادات بڑے ہی معنی خیز ہوتے ہیں۔ ان کے کئی پہلو اور بُعد ہوتے ہیں۔ ان باتوں میں ابلاغ و اظہار کی تیزی ہوتی ہے۔ وہ باتیں براہ راست قلوب پہ اثر کرتی ہیں۔ ان معرفت کی باتوں میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے متعدد اشارے اور علامات ہوتی ہیں۔ عارفوں کے کلام میں متعدد اسرار و رموز ہوتے ہیں۔ وہ غور و فکر سے لوگوں پر منکشف ہوتے ہیں۔ ایسی معرفت کی باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عنائیت خاص ہی سے ہوتی ہیں۔ اور ان امور میں لامحالہ مشیت ایزدی شامل ہوتی ہے۔ اللہ کے جن عارفوں کے دلوں پہ کلام اللہ کی واردات ہوتی ہے وہی معرفت کے اسرار و رموز بیان کرتے ہیں۔

پھر کسی دل کی واردات کو جاننا اور اس کی

منصب رسالت: کیفیت سے باخبر ہونا کہ وہ کس قدر محبت کے لائق ہے یا نفرت کا حقدار ہے۔ اس کا تعلق صرف نبی اور رسول کے علم باطن سے واقفیت اور آگاہی سے ہے۔ کوئی نبی یا رسول ہی کسی عارف کی باتوں کو صحیح مقام و مرتبہ دے کر اس کا تعین کر

سکتا ہے۔ اللہ کے تمام انبیاء اور رسول بھی بارگاہِ رب العزت میں مختلف مناصب اور مراتب پر فائز ہیں اور یہ مراتب و مناصب کا فرق نبوت و رسالت کی قوت کے ساتھ ہے۔ گویا جو نبی یا رسول نبوت و رسالت کی قوت کا جس قدر مالک ہوگا۔ اسی قدر وہ علوم، رموز اور اسرار پر حاوی ہوگا۔

اللہ کے پیاروں اور جذبے میں سچے اور ہمتوں میں عالی لوگوں کو ہر طرح کا مقام و مرتبہ صرف قربِ الٰہی ہی کے وسیلے سے ملتا ہے۔ ایسے اولوالعزم اور عالی ہمت عارفوں کو جس قدر قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اسی معیار اور سطح سے انہیں کشف بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ کشف کبھی کمال سے خالی نہیں ہوتا۔ کشف سے حالات و واقعات اور اللہ کے اسرار تفہیم حاصل کرتے ہیں۔ اور انہیں جسم ملتا ہے، گویا کشف قربِ الٰہی سے مجسم ہو جاتے ہیں۔

اصحابِ عقل و خِرد: پھر جو لوگ صاحبِ عقل ہیں، ان کی عقل و خِرد کے بھی پَر اور قوتِ پرواز ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی قوتِ عقل و خِرد کے باوصف حالات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنی ہر طرح کی آگہی چشمۂ توحید سے حاصل کرتے ہیں وہ صاحبِ عقل و خِرد میں سے سب سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا کشف اور علم بھی چشمۂ توحید میں سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ تائیدِ ایزدی سے اور تیز فہمی اور ذکاوت کے باعث اسرارِ الٰہی کو اپنے دائرہ آگہی میں لاتے ہیں۔ ان کی آگہی، کشف اور علم کا اصل منبع چشمۂ توحید ہی ہوتا ہے۔ ان علومِ الٰہیہ کو سُن کر اور سمجھ کر عام لوگ ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ اصل میں تو یہی لوگ اہلِ تقویٰ ہوتے ہیں۔ معرفت کی زبان میں انہی لوگوں کو متقی کہا جاتا ہے۔

عارف کے کلام کے قرینے: چشمۂ واحدانیت سے حاصل ہونے والا علم عظیم ہوتا ہے۔ وہ با ایں ہمہ کلامِ الٰہی ہوتا ہے اور اس کلامِ الٰہی سے مانوس ہونے والوں کی محبت شدید ہوتی

ہے۔ محبت کی اس شدت میں لامحالہ تپش اور جگر سوزی بھی ہوتی ہے۔ یہی کلامِ الٰہی سے محبت اور وارفتگی ہی عارفوں کی آتشِ عشق ہوتی ہے۔ اس آتشِ عشقِ الٰہی سے عارفوں کو راحت و تسکین میسر آتی ہے۔ اس حالت میں عارف کا کلام و ارشاد عارف کو بھی سکون و راحت بخشتا ہے۔ اور ماننے والوں پر بھی بجا طور پر اپنا اثر کرتا ہے۔ عارفوں کا کلام سامعین کی روحوں اور قلب کو سکون و انبساط بخشتا ہے۔ اس لئے عارفوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے معتقدین کے ساتھ اسی معیار اور سطح کا کلام فرمائیں کہ جس کے وہ متحمل ہو سکیں۔ چونکہ عارف کے کلام میں بہت زیادہ قوتِ اثر ہوتی ہے اس لئے عارف کو چاہئیے کہ وہ اپنے سامعین کے ظرف و طلب کے مطابق کلام کرے۔ معرفت کی دقیق باتیں اور اسرار لوگوں کی ہمت اور استطاعت کے مطابق ان پر بیان کرے۔ عارف کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ کلام کرے تو زبانِ حال اور لوگوں کی وضاحت کے مطابق بات کرے لیکن احتیاط و حزم کو اپنے ہر جملے اور پورے کلام میں ملحوظ رکھے۔

اسرارِ کلامِ عارف: حضرت لیث مصریؒ کے ایک بھائی سکندریہ میں رہتے تھے۔ ایک بار حضرت لیث مصریؒ ان کے پاس گئے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ اتنا عرصہ کہاں اور کیسے رہے ہے؟ حضرت لیث مصریؒ کے بھائی نے فرمایا کہ "میں تو اپنے اللہ اور اپنے پروردگار کی طلب میں مشغول تھا۔" اس پر پوچھا گیا کہ تجھے اس قربت میں کیا ملا؟ جواب ملا کہ میں یہ بتانے سے عاری ہوں، اور اس پر وہ ایک خاص کیفیت میں گر کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر اسی اثنا میں حضرت لیث مصری کے کانوں میں یہ آواز آنے لگی کہ "اے لیث! کوئی بندۂ خدا جب پورے عزم اور صدق کے ساتھ اپنے اللہ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر فیوض و برکات اور رحمتوں کی فراوانی فرما دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنے بندے کو وہ اعزاز اور انعام بخشتا ہے کہ انہیں صرف اہلِ دل اور صاحبِ حال ہی جان سکتے ہیں۔ ان فیوض و برکات

کا کوئی دوسرا شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام جو عارفوں پر مدام ہوتے رہتے ہیں کسی دوسرے پر ان کا انکشاف ہونا ناممکن بلکہ محال ہوتا ہے، اور یہی نہیں بلکہ اس عارف کے حواس و احساس بھی اللہ ہی کے تابع اللہ کی راہ میں لگے رہتے ہیں۔ اس عارف کے کان غیر اللہ کی سماعت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کی آنکھیں اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔ اس عارف کی تمام تر استعدادیں اپنے اللہ ہی کے لیئے وقف ہو جاتی ہیں اور پھر اللہ کے ایسے بندوں پر عجائبات الٰہی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اس حال کو پہنچا ہوا عارف جب کلام کرتا ہے تو اس کے کلام میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ کلام کی کئی پرتیں اور جہتیں ہوتی ہیں۔ اس کا کلام گویا تیروں کی مانند مختلف نشانوں پر برستا ہے۔ ان عارفوں کے کلام سے کئی لوگ محض کلام ہی سے گھائل ہو جاتے ہیں۔

ایک عارف سے یہ سوال کیا گیا

زبانِ قال اور زبانِ حال

کہ "انسان کب خاموشی میں بھی بولتا ہے اور کب غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتا ہے اور کب غائب ہوتے ہوئے بھی انسانوں میں موجود ہوتا ہے؟"

عارف نے اس سوال کے جواب میں بتایا کہ "جب عارف زبانِ قال سے خاموش ہوتا ہے تو وہ زبانِ حال میں گفتگو کرتا ہے۔ اس کی گفتگو حق کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ حق کے سوا کلام میں وہ گونگا ہو جاتا ہے۔ خاموشی کی گفتگو جو عارف کرتا ہے وہ زیادہ پُر اثر ہوتی ہے۔ اسی طرح جب عارف اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ قلب پر معرفت کی واردات شروع ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت وہ عارف غائب ہو جاتا ہے۔ غائب ہونے کے لیئے بارگاہِ الٰہی میں اس کی حاضری ہو جاتی ہے۔"

"جب عارف کو اپنی وارداتِ قلبی کے دوران میں اللہ کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں تو وہ مردِ عارف بن جاتا ہے۔ اس صورت میں اس عارف کی زبان خاموش ہوتی

ہے لیکن اس کا حال ہی اس کی زبان بن جاتا ہے۔ جب عارف زبانِ حال میں کلام کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اس کی زبانِ حال زیادہ فصیح ہوتی ہے۔" اس عارف نے اپنے اسی بیان میں مزید اضافہ فرمایا کہ" وہ عارف زیادہ وقیع اور معتبر ہوتا ہے کہ جب اس سے اس کے مطلوب یعنی اللہ کے بارے میں کچھ دریافت کیا جائے تو وہ اس امر کا جواب زبانِ قال یعنی بول کر دینے کے بجائے زبان حال سے اظہار کرے۔"

ایک عارف سے کسی نے دریافت کیا کہ "آپ کس حال میں ہیں؟" اس سوال پر اللہ کے عارف نے بتایا کہ" اگر عارف اپنا حال بیان کر دے تو اس کی ہلاکت ہے، اور اگر وہ اپنا حال بیان نہ کرے تو اس خاموشی میں بھی اس کے لئے جسم وجان کو جلانا ہی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ وہ جب بھی حال میں ہو اسی میں مشغول اور مست رہے۔"

اسی طرح جب اسی عارف سے اس کے اللہ اور معبود کے بارے میں سوال کیا گیا تو عارف نے بتایا کہ" اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں عارف کو چاہئیے کہ وہ زبانِ قال کے بجائے زبانِ حال ہی استعمال کرے۔ کیونکہ اپنے محبوب کے بارے میں عارف کی زبانِ حال ہی بہتر ہوتی ہے۔ اس زبانِ حال میں عارف کے لئے نہ تو ہلاکت ہے اور نہ پستی کا خدشہ ہے۔"

ایک عارف سے استفسار کیا گیا کہ آدمی کب

عارف کا حال:

مقربِ الٰہی بنتا ہے اور کس وقت وہ صاحبِ حال کہلاتا ہے۔

اس پر عارف نے بتایا کہ" جو عارف اپنے حال پر راضی ہو اور جب اس پر حال طاری اور وارد ہو تو اسے ہی بخوشی قبول کرے۔ اس طرح جب وہ حال پر غالب آجاتا ہے تو صاحبِ حال ہو جاتا ہے۔ یہی درجہ اسے اپنے اللہ کا مقرب بنا دیتا ہے۔ جس عارف پر حال وارد اور طاری ہو جاتا ہے وہ حال کی واردات کے تمام حجابات سے بچ جاتا ہے اور اس کا حال خوش حالی میں بدل جاتا ہے۔"

مزید بتایا گیا کہ" اس درجے کا صاحبِ حال کئی اعلیٰ مناصب حاصل کر لیتا ہے وہ

لوگوں کے احوال سے بھی آگاہ ہونے لگتا ہے۔ اس پر لوگوں کے ارادے اور نیتیں بھی عیاں رہتی ہیں۔ ساری مخلوق اس کی نظر میں ہوتی ہے۔ مخلوق اور اس کے اعمال و اوصاف اور ارادے اس سے پوشیدہ نہیں رہتے۔ عارف مخلوق میں سے ہر شخص کی ہمت اور عزم کو اس کی استطاعتِ انفرادی کے مطابق جاننے لگتا ہے، اور پھر ان لوگوں کی استعداد اور حوصلوں کے مطابق انہیں روشنی دیتا اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔"

کلام بقدر ظرف سامع :

حضرت ذوالنون مصریؒ نے بھی اسی حوالے سے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ " قوم کی رہنمائی کرنے کوئی محدث اور رہنما ایسا نہیں ہوتا کہ جو اپنے کلام میں اپنی قوم کے افراد و اشخاص کی ذہنی قوت پرواز فہم و ادراک کو ملحوظ نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح جو عارف بھی ان انسانی ارادوں اور فہم و ادراک کو دھیان میں نہیں رکھتا وہ بعض اوقات افراد قوم کے لئے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے عارف کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ جب بھی معرفت کی باتیں اور عارفوں کا سا تکلم کرے تو اس میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لے۔ اسی طرح اگر عارف کو دنیا والوں اور صرف عقبیٰ کے طالبوں کی محافل میں مجبوراً بات کرنا پڑے تو وہ حتی الامکان بات اور کشف اسرار سے پرہیز ہی کرے اور اگر بات کرے تو اہل ہمت سے بات کرے اور یا پھر لوگوں کی فہم و ادراک کا دھیان رکھے اور ان کی استطاعت اور ظرف کو بھی اپنے کلام میں ہمہ وقت ملحوظ رکھے۔"

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " اہل معرفت کی باتیں سُننے کے لئے بھی بلند حوصلے اور بڑے ظرف کی ضرورت ہے۔ عارف کی بات سننے والا اگر اللہ کی معرفت سے واقف اور آگاہ ہوگا تو وہ زیادہ بہتر طور پر بیان سمجھ سکے گا۔ عارف کہ جو اپنے پروردگار کی راہ میں پختہ اور عالی ہمت ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اس کے کلام میں وسعت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے عارفوں کو کلام کرنے کی

خاطر ہر طرح کی زبان عطا فرما دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کا عارف حسبِ موقع اور مخاطبین کی استعداد و ادراک کے مطابق بات کرتا ہے۔ عارف کو شریعت، طریقت یا معرفت کی زبان میں کلام اور بات کرنے کی پوری دسترس ہوتی ہے۔ عارف زبانِ فقر بھی اپنا لیتا ہے اور محل کے مطابق جہاں ضرورت ہو زبانِ فخر سے بھی کام لے سکتا ہے۔ لیکن زبانوں پر اس قدر قدرت اور دسترس کے باوجود عارف اپنے خدا کے حضور بے نوا اور بے صدا ہی رہتا ہے۔ اللہ کے سامنے عارف کے تمام انداز اور اسالیب اور زبانیں ساکت ہو جاتی ہیں۔ وہاں پر وہ عبدِ ناطق سے عبدِ ساکت بن جاتا ہے۔ دربارِ الٰہی میں عارف سراپا جستجو اور طلب بن کر حاضر ہوتا ہے۔ یہی عارف غائب ہونے کے باوجود حاضر ہوتے ہیں اور دنیا والوں میں حاضر ہوتے ہوئے بھی غائب ہوتے ہیں گفتگو اور کلام بھی اللہ کا دیا ہوا ایک تحفہ ہے۔ لیکن اس کلام کے بھی کچھ قرینے اور سلیقے ہوتے ہیں۔ عارف جب بندوں سے کلام کرتے ہیں تو وہ ان قرینوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ ان کا کلام بقدرِ ظرف و طلب ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی قدرت و استطاعت اور صلاحیت و طلب کو بھی بجا طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ اپنے کلام میں وہ نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی بخل کا اظہار کرتے ہیں۔ خلاصتہً ان عارفوں کا کلام حسبِ قدرت و صلاحیت اور طلب کے مطابق ہوتا ہے۔

آدابِ گفتگو:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے بھی کلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ "اے صاحب عقل لوگو! تم اپنے کلام میں اس ہمدرد اور تندرستی کے طالب طبیب کی مانند ہو جاؤ کہ جو ہر مرض میں مریض کے مزاج اور طبیعت کے مطابق شافی دوائیں بھی دیتا ہے اور کچھ ضروری پرہیز بھی تجویز کرتا ہے۔ عقلمندی کی بات یہی ہے کہ کوئی بات کرنے سے پہلے یہ جان لو کہ کس طرح اور کس سطح کی بات کس کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ جس سے

بات کرنا مقصود ہے کیا وہ بات کی کُنہہ تک پہنچ سکے گا یا نہیں۔ کیا وہ تمہارا مخاطب تمہاری بات کو سمجھ بھی سکے گا کہ نہیں۔ اگر مخاطب سے اس کی قدرت اور استطاعت کے مطابق بات نہ کی جائے تو یہ سراسر ظلم ہوگا۔ اسی طرح ہر راز کو راز ہی رکھنا چاہیئے"۔

مزید فرمایا گیا کہ " ہر گفتگو کے آداب اور قرینے ہوتے ہیں۔ گفتگو میں لفظوں کا استعمال اپنی قدر و قیمت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود کم گوئی بھی ایک نعمت ہے۔ جو جتنا زیادہ بولتا ہے اسی قدر زیادہ فروگزاشت کرتا ہے۔ تھوڑا لیکن با مقصد اور غور و خوض سے بولنا بدرجہا بہتر ہے۔ اسی طرح گفتگو موقع محل کی بھی پابند ہوتی ہے۔ بے موقع گفتگو اکارت جاتی ہے۔ بے سوچے سمجھے، بے موقع اور اپنے مخاطب کا خیال رکھے بغیر بولنے والا کلام کی روح سے عاری ہوتا ہے، اس کا اصل مقام گونگے، بہرے اور اندھے پن کا ہوتا ہے"۔

اور ارشاد ہوا کہ " جس طرح کلام میں لفظوں کی حرمت اور شوکت ہوتی ہے اسی طرح کلام کی بھی تکریم و توقیر ہوتی ہے۔ کلام کی تعظیم و تقدیس کو ملحوظ رکھنا گفتگو میں روح پیدا کرتا ہے۔ ہر طرح کے کلام میں مخاطب ہی محترم ہوتا ہے کیونکہ آپ کا کلام اور گفتگو، مخاطب کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے اس امر کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ کہ آپ کس سے مخاطب ہیں۔ اور پھر اسی مخاطب کے پیشِ نظر ہی اندازِ کلام اور اسلوب پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی گفتگو کے آداب میں سے ہے۔ اہلِ معرفت کے ساتھ گفتگو معرفت کے معیار پہ ہو، اور راز کی ہمہ وقت حفاظت اور پاسداری کی جائے"۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان میں فرمایا جاتا ہے کہ " میں نے بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران میں ایک مُشک فام کو دیکھا اور سُنا کہ وہ صرف ایک ہی لفظ " اَنتَ، اَنتَ" (یعنی تو ہی ہے، تُو ہی ہے) بار بار کہے جا رہا تھا۔ مجھے اس ایک ہی لفظ پہ کرید لگی اور میں نے اس شخص سے پوچھ لیا کہ اے بھائی اس ایک ہی لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ میرے اس سوال پہ اس جوان مشک فام

نے بتایا کہ " اے میرے دوست! دو محبت کرنے والوں کی باتیں ایک راز ہوتی ہیں۔ اور وہ راز ایک طرح کی امانت ہوتا ہے۔ راز کی باتوں کو فاش کرنا گستاخی اور بدعہدی ہے اور جس راز کے بیان کرنے میں زبان معذور ہو اسے قرطاس و قلم کے ذریعے سے بھی فاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب ان محبت کرنے والوں میں ایک جانب انسان ہوتا ہے تو پھر اس پر اللہ کے راز اور اسرار خود بخود ایک مظہر کے طور پر ظاہر ہونے لگتے ہیں "۔
اس پر میں نے کہا کہ مجھے بھی کچھ دکھایئے تو اس مشک فام شخص نے کہا کہ " جو قلوب اپنے پروردگار کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔ اللہ انہیں اپنے متعدد راز تفویض فرما دیتا ہے اور یہ راز اس اللہ کی امانتیں ہیں۔ اور اللہ کے عارف ان امانتوں کے امین ہیں۔

باب - ۸

اہلِ ہمّت کے کلام کی فضیلت

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں :

اے اللہ والو ! یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے

اتصال و انفصال : کہ اللہ والوں کے کلام کی فضیلت اور شرف و بزرگی بھی ان لوگوں کی ہمتوں کے مطابق ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کے کلام میں امتیاز کرنے کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں ان امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ان میں اتصال و انفصال کی حدود کیا ہیں اور کونسا کلام باعثِ اتصال ہے اور کونسا کلام باعثِ انفصال ہے، جو کلام ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب مائل کردے اور اللہ کے قریب کردے وہ باعثِ اتصال ہے اور جو کلام اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث بنے زمرۂ انفصال میں آتا ہے۔

وہ کلام جو باعثِ اتصال ہوتا ہے اس سے بندوں میں دولتِ ایمان فروغ پاتی ہے۔ عمل میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں کے کامل اور مستحسن طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کی دلی اور روحانی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی خاطر ایقان و ارادہ اور عزم میں پختگی پیدا ہوتی ہے کیونکہ معرفت الٰہی کامل ارادہ کے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی فضلِ ربی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ معرفت الٰہی اور وصل کی حقیقت اسی وقت اپنا رنگ دکھا سکتی ہے کہ بندہ خود بھی ان مراحل کے تمام عوامل اور اسباب و علل سے بخوبی آشنا ہو۔

معرفت الٰہی سے حاصل ہونے والے کمالات

طلب کی مواج لہریں: اور فیوض ربانی اسی وقت حاصل ہوتے ہیں کہ جب ان کے لئے روح و قلب میں اسرار کا ایک طوفان بنا ہو اور اس طوفان میں اوج رسو اور لہروں میں شدید تموّج پیدا ہو چکا ہو۔ کیونکہ یہی کیفیت ہی روح و قلب میں شدید ہیجان پیدا کرتی ہے۔ اسی تفکرات میں جوش و جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اضطراب کی متواج لہریں موجزن ہو جاتی ہیں۔ ان متواج لہروں کا جو اثر روح و قلب پہ ہوتا ہے اسے بیان کرنا مشکل ہے۔ اسطرح بندہ اپنے پروردگار کے سوا ہر شئے کو بھول جاتا ہے۔ ایسی کیفیت اور حالت میں اللہ کے بندے کو جو ایک نئی آگہی نصیب ہوتی ہے، اس کی موجودگی میں وہ اپنے اوپر وارد ہونے والی انبساط و لذت میں باقی تمام کیفیتوں کو یکسر بھول جاتا ہے۔

عارف کا کلام امانت الٰہی ہے: اس حوالے سے اگر اللہ کا کوئی بندہ دلوں کی طلب کی لہروں اور ہیجانی طوفانوں میں تیزی اور تندی پیدا کرلے تو ایسے لوگوں کا کلام باعث اتصال الٰہی ہوگا۔ اس طرح کے کلام سے بندے پہ کئی طرح کے اسرار اپنا کشف ظاہر کریں گے۔ ایسے صاحب کلام لوگوں کو اللہ عزت اور شرف بخشتا ہے اور لوگ ان کے کلام سے عزت و ہمت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے اے عارفوں کا کلام سننے والے لوگو! اللہ کے عارف جو عالی ہمت کلام فرماتے ہیں۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی جانب سے ودیعت کیا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا کلام اللہ کی جانب سے ان کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اس لئے عارف اس امانت الٰہی کی صحیح معنوں میں حفاظت بھی کرتے ہیں اور پاسداری بھی کرتے ہیں۔

حکمت و دانش عارف: حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کے دل جو اپنے اللہ کی طرف راغب ہو جاتے ہیں وہ دل بسح مج اللہ ہی کے ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں

پھر ان دلوں کی حفاظت اللہ تبارک و تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ مزید فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنی زندگی میں مختلف مقامات پر کئی لوگوں سے مل کر ان کے علوم اور کلام کو محسوس کیا اور سنا ہے۔ ان لوگوں کے کلام میں موجود حکمت و دانائی اور دانش کو بھی پرکھا ہے لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بعض لوگ علمی لحاظ سے بالکل کورے ہوتے ہیں، حکمت و دانش سے ان کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کی عقل و دانش بھی دوسروں ہی کے افکار و خیالات کی متقاضی اور مرہونِ منت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بھلا اپنے سننے والوں کو کیا روشنی بخش سکیں گے۔"

قلب کی پاکیزگی:

اس کے برعکس اللہ کے وہ بندے کہ جو اپنی ہمت اور اولوالعزمی کے باعث اپنے علم و فہم کے لئے بھی اپنے اللہ کی جانب رجوع کئے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کی بجا طور پر ہمت بڑھا دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ جب معرفتِ الٰہی کی مجلسوں اور محفلوں میں آتے ہیں تو وہ مل جل کر یہ کام نمٹا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب ان کا سفر اپنی ذات کی نفی ہوتا ہے لیکن وہ نفی ذات ہی کے حوالے سے اپنے اللہ کو حاصل کر لیتے ہیں۔ جب ایسے عارف لوگ اپنا ذکر اللہ تعالیٰ کے حوالے سے قربِ الٰہی کے زمرے میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے مراتب کو اور بلند فرماتے اور ان کی ہمتوں کو بلندی بخشتے ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر ان کے قلوب کو اور بھی پاکیزگی کی نعمتوں سے متصف کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کے ارادوں، بلند ہمتوں اور اولوالعزمی کے باعث اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

کنز المعرفت:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے عارفوں کے قلب و نظر کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا وسیلہ اور ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کلام اور ان کی تشریح و وضاحت کو بھی ہدایت ہی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ عارفوں کے دل اور ان کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں اور رحمتوں

کے منابع کی شاہرائیں ہوتی ہیں۔ اہلِ معرفت کا کلام معرفت الٰہی کے خزانوں میں سے ایک عظیم خزانہ ہوتا ہے۔ عارفوں کی زبان سے نکلا ہوا کلام معرفت سراپا ہدایت اور باعثِ رشد و رہنمائی ہوتا ہے۔ عارفوں کے دل ان خزانوں کے مالک ہوتے ہیں اور وہی دل لوگوں پر اپنے کلام کے ذریعے سے ان خزانوں کو لٹاتے ہیں۔ اہلِ معرفت کو ان کے دلوں کے ان خزانوں کو جھولیاں بھر بھر کر لٹانے کا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی واضح طور پر ارشاد فرما رکھا ہے۔ لہٰذا اہلِ معرفت اپنے کلام کے ذریعے سے ان خزانوں کو بجا طور پر اللہ کے بندوں پر نچھاور کرتے رہتے ہیں۔

ابوالقاسم عارف فرماتے ہیں کہ "اے اللہ کے بندے! تو اپنے آپ کو اور اپنی ذات کو اپنے حقیقی خالق و مالک کے سپرد کر دے۔ اس طرح کہ جب تو اپنے آپ کو اللہ کی تفویض میں کر دے گا تو تو تمام فکروں سے آزاد ہو جائے گا۔ اس طرح جب تجھے تیری فکر اور پرواہ ہی نہیں رہے گی تو پھر تیرا قلب حکمتِ الٰہی کا ایک مقام بن جائے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تیرے دل کو حکمتِ الٰہی کی لذّت سے آشنا فرما دے گا۔

خیر اُگیترا

بعض اپنے کلام میں یوں بھی فرماتے ہیں کہ " اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات بے عیب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں کہ جو نورِ معرفت کی جانب قدم بڑھانے والے مریدوں کے قلوب کو نور سے منوّر فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے طالبان کو اپنے نور ہی سے مزیّن فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نور کی فراوانی کے بعد اپنی محبت کی اور الفت کی مست کر دینے والی شراب سے انہیں شرابور کر دیتا ہے۔ انکے دلوں کے چراغوں کو اللہ تعالیٰ نورِ محبت سے روشن کر کے چکا چوند کرنے والے بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ایسے لوگوں کی زبانوں کو اور ان کے خیالات کو معرفت کے اشارات کا خوگر بنا دیتا ہے۔ اس طرح وہ لوگ اپنے کانوں کو باطل، لغو اور فواحش کے سننے سے بالکل بہرہ کر لیتے ہیں۔

برائی دیکھنے اور محسوس کرنے سے اپنی آنکھوں کو اندھا کر لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات، سفلی جذبات اور شہوتوں اور فضولیات سے پاک اور مبرا کر لیتے ہیں ان کی زبانیں فضول باتوں کے سامنے گنگ ہو جاتی ہیں۔"

عارف کے دل کے بارے میں فرمایا جاتا ہے کہ اس کا دل اللہ کی زمین میں اللہ کے خزانے کا درجہ رکھتا ہے، اور معرفت کے اسرار اس دل کی امانت ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ " بندہ کے دل کی مثال ایک دیگ کی سی ہے کہ جس میں پوری گرمی اور تپش کے ساتھ چیزیں گلا کر پکائی جاتی ہیں۔ اور زبان کو اس دیگ کے منہ کی حیثیت حاصل ہے اور یہی زبان اللہ تعالیٰ کی رفعتوں کو بیان کرتی ہے۔ زبان پہ دل کے معارف عیاں اور واضح ہوتے ہیں۔ اس طرح زبان ہی صحیح معنوں میں دل کی مکمل طور پہ واقف اور آشنا ہوتی ہے۔

اللہ کی طرف دعوت: حضرت ابو حامد کا فرمانا ہے کہ میں نے عوام میں کبھی ایسی بات نہیں کی کہ جس میں میرا مدعا یہ نہ ہو کہ عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب بلایا جائے۔ میں ہمیشہ اپنے کلام میں لوگوں کو اللہ کی طرف ہی دعوت دیتا ہوں۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ میں اتنی جرأت ہی نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر کے بغیر کسی سے کوئی کلام کر سکوں۔ میں جب بھی کسی سے کوئی کلام کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے ہوتا ہے۔

مقامِ صدق و صفا: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمانا ہے کہ اللہ کا جو بندہ اپنے اس ارادے اور عزم میں ڈٹ جائے کہ اس نے اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے اپنی مکمل عبدیت کو ظاہر کرنا ہے اور پورے خلوص اور راست نیت کے ساتھ اپنی عبدیت کو صرف اللہ ہی

سے وابستہ رکھتا ہے اور غیر اللہ کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتا تو اس سطح پر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقامِ صدق و صفا عطا فرماتا ہے۔ اپنے اس طرح کے بندوں کے لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝" (جو شخص صدقِ دل سے قعدہ کر کے بیٹھ جاتا ہے، گویا وہ ہر طرح کے اقتدار کے مالک اور پروردگار کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔)

بقول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نور کی بصیرت: اللہ کا بندہ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو کر ہی ہمت کی آنکھ کھولتا ہے۔ اس حالت میں وہ اپنی قوت، ارادے اور ہمت کے ساتھ سلامتی تلاش کرتا ہے۔ اسے پھر یہیں یہ صداقت ملتی ہے وہ معرفت میں اپنی آنکھوں میں سکون اور ٹھنڈک محسوس کرتا ہے اس کی آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی بصیرت کے نور سے منور ہوتی ہیں۔ اور ان آنکھوں میں یقین کا نور پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہر شئے کو اور اپنے پروردگار کو اسی نور ہی کی بدولت دیکھتا ہے اور وہ آنکھیں نور کے فیض سے صحیح معنوں میں بالبصیرت ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ

اللہ کا دیدار: "اے اللہ والو! یہ خوب طرح سے جان لو کہ رویت یعنی دیدار اور دیکھنے کی دو ۲ قسمیں ہیں۔ ایک دل اور یقین کی نگاہوں سے دیکھنا اور دوسرا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا۔ اس رویت کے حوالے سے حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟ اور یہ کہ اس اللہ تعالیٰ کو تو کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس سوال کے جواب میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن دیکھنا صرف آنکھ ہی کا دیکھنا تو نہیں ہوتا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا تعلق ہے ہم نے اپنے پروردگار کو یقین

کی نظروں اور نور کی بصیرت سے دیکھتا ہے اور ہاں جان لو کہ اللہ کے بندے کا دل جب یقین محکم کے ساتھ اپنے پروردگار کو دیکھتا ہے تو وہ معرفت حاصل کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے کسی دوسرے کو مزید دیکھنے کی آرزو اور طلب ہی نہیں رہتی۔ انسانی جسم وجان میں سے جب انسانی طلب کی صفات کو یکسر ختم کر دیا جاتے تو اسی وقت وہ اللہ کی روئیت کے لائق ہوتا ہے۔ اللہ والے اپنے پروردگار کے سوا ہر طرح کے دیدار و درشن کو روا نہیں سمجھتے۔ دیدارِ الٰہی کے بعد ہر طرح کا دوسرا دیدار ساقط ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ثواب کے بعد عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ اس اہلِ دیدار میں صرف دیدارِ الٰہی باقی رہتا ہے اور اسی سے انہیں معرفت ملتی ہے۔

ذکرِ عنایات: اللہ کے بندے بعض اوقات اپنے پروردگار کو فراموش کئے بغیر بھی ذکر اللہ کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بندوں کو عزم وہمت کی بلند پروازی اور عالی ہمت عطا کرتے ہیں۔ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب اپنے پروں کی قوت اور عالی حوصلگی کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ اور وہ بارگاہِ الٰہی میں رسائی بھی حاصل کر لیتا ہے اور یہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے ایسے عالی ہمت لوگوں کو معرفت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ یہاں پر اس بندۂ خدا کی زبان اپنے پروردگار کے سامنے عاجز رہ جاتی ہے۔ وہ صرف اور صرف اپنی زبان سے اپنے اللہ تعالیٰ ہی کے حقائق اور عنایات کا ذکر کرتا ہے اس کے سوا اس کا ہر طرح کا بیان خاموش ہو جاتا ہے۔

اللہ کی طلب: اللہ کے عارف بندے اللہ کی دی ہوئی علامات اور نشانیوں ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ کے عارف اللہ کے علم اور اس کی نشانیوں سے باخبر ہوتے ہیں۔ اللہ کا عارف اپنے مرتبۂ معرفت پر اپنے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کی نہ چاہت رکھتا ہے اور نہ طالب ہوتا ہے، وہ اپنے اللہ سے

اللہ ہی کو طلب کرتا ہے۔

کسی عارف نے فرمایا ہے کہ" میں حج کرنے کے لئے گیا تو میں نے بیت اللہ شریف میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ وہ نوجوان اپنے پروردگار سے کو لگائے ہوئے کہہ رہا تھا کہ " اے پروردگار! تیری دنیا کے تیرے تمام وفد تیرے گھر میں جمع ہو چکے ہیں۔ یا اللہ آپ ان وفود سے پوری طرح باخبر اور علم رکھنے والے ہیں۔ آپ کے دربار میں ان وفود اور وفود میں شامل لوگوں کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔' اس پر اس نوجوان نے ایک غیبی آواز سُنی جس میں کہا گیا کہ" میرے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے میری طلب کرنے والے بہت قلیل لوگ ہیں۔" یہ آواز سن کر وہ نوجوان چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور زمین پر گر پڑا۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خادم سے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دن حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ" میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں دیکھا ہے۔ اور میں نے سُنا ہے کہ ربُّ العزت فرما رہے تھے کہ اس دنیا میں مجھے طلب کرنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ مجھ پر فدا ہونے والے چند ایک ہی ہیں۔ آج تو بایزید کے سوا کوئی میرا عارفِ صادق موجود نہیں ہے جو مجھے ہی چاہتا ہو۔ اس لئے میں بھی آج بایزید بسطامیؒ ہی کو طلب کرتا ہوں۔"

ایک عارف حضرت یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ گروہ کہاں ہے جسے آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو اور جو اللہ کے سوا کسی اور شئے کا طالب نہ ہو۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ اللہ کا عارف اپنے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو بھی اللہ ہی کے حصول کے لئے لگا دیتا ہے۔ وہ اپنے اللہ کے سوا نہ تو دل میں کسی کو جگہ دیتا ہے اور نہ وہ حرکات و سکنات ہی کو غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

تحقیق کے امام : ایک حکایت ہے کہ کسی نے ایک عارف سے سوال کیا کہ آپ کس حال میں ہیں اور کیسے ہیں ؟ اس اللہ کے عارف نے فرمایا کہ " اس کا کیا حال ہو سکتا ہے کہ جو اپنے اللہ کے ساتھ ہو ! اور جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تو غائب ہے اور اللہ اس سے بے خبر ہے وہ اللہ کے اشاروں اور علامات کو کیا جان سکتا ہے ۔"

اللہ تعالیٰ کے عارفوں کے کچھ اشارے اور علامات ہوتی ہیں۔ ان کی عبارتوں سے بھی خال خال ہی لوگ واقف ہوتے ہیں ۔ عارفوں کا باطن ہر طرح کے بشری تقاضوں اور کثافتوں سے پاک ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے اللہ ہی کے ہو جاتے ہیں اللہ ہی کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ وہ عارف دنیا اور عقبیٰ سے پاک ہو کر اللہ ہی کے لئے ہو جاتے ہیں۔ یہ اہلِ ہمت لوگ ہوتے ہیں ۔ اور بلاشبہ اہلِ ہمت کا ذکر ایک باعزت اور عظیم کام ہے کیونکہ عارف اپنی تحقیق میں اللہ کی جانب امام ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان کا مقام و مرتبہ بلند رکھا ہوا ہے ۔

باب - ۹

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی

معرفت اور عالی ہمتی

حضرت ابو القاسم جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ:

اے اللہ والو غور سے سنو! بایزید

مطالعہ کی اہمیت: بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے، دوسرے لفظوں میں ان کا وجود انسانوں کے لئے موجب پند و نصیحت ہے۔ میں نے اہل علم بزرگوں، آئمہ اور اہل معرفت اور عالی ہمت لوگوں کی متعدد کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کے کلام اور بیانات پر غور و فکر کیا ہے۔ علمائے سلف اور بزرگانِ رشد و ہدایت کی کتب کا بھی بغور مطالعہ کیا ہے۔ لہٰذا معرفت الٰہی کے میدان میں مجھے جن رہنما اصولوں اور تعلیمات کی ضرورت تھی میں نے انہی آئمہ کے مطالعے سے حاصل کی ہیں۔ میں نے اس قدر زیادہ مطالعہ اور غور و فکر اس لئے بھی کیا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ "لان مطالعۃ کلامیۃ مصابیح المعرفۃ والروح الیقین ٥

(بزرگوں اور اہل معرفت کے کلام کا مطالعہ کرنا روح کو یقین بخشتا ہے اور معرفت کے کلام کے لئے اس کی حیثیت روشن چراغ کی سی ہوتی ہے۔)

اہل معرفت کے کلام اور کتابوں میں رشد و ہدایت ہوتی ہے، ان کا کلام خیر و برکت

کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ان کا کلام اور تعلیمات علم کے پیاسوں کی پیاس بجھاتی ہیں۔ ان معرفت والوں کا کلام ایک طرح کے آبِ رواں کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں توحید کے خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے کلام کے باعث خدا تعالیٰ کے اوامر و نواحی کی حفاظت کے لئے حوصلہ اور ہمت میسر آتی ہے۔

بایزید کا مرتبہ:

میں نے علمائے معرفت کی دقیع کتابوں کا مطالعہ کیا اور غور و فکر کیا ہے۔ اسی قدر مجھے ان بزرگوں کے کلام کو سمجھنے کا موقع ملا ہے، اور عارفوں کے کلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ان اللہ کے عارفوں کے کلام کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھ پر یہ آشکارا ہوا کہ اللہ کے نزدیک اہلِ معرفت اللہ کو سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اہلِ معرفت کا رتبہ اور فضیلت باقی ساری مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ اور پھر اس اللہ کے عارفوں میں کہ جو اس دور میں زندہ ہیں یا جو پہلے گزر چکے ہیں، ان سب میں سے حضرت بایزید بسطامیؒ کا مرتبہ بلاشبہ بلند اور افضل ہے۔ اور میں یہ پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء اور تعریف اسی طرح کرتے ہیں کہ جس کے اللہ تبارک و تعالیٰ مستحق ہیں۔

اسمِ اعظم:

ایک بار ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر عرض کیا کہ یا حضرت میں نے یہ سن رکھا ہے کہ آپ کے پاس اسمِ اعظم ہے۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے وہ اسمِ اعظم سکھا دیں۔ مجھے اس اسمِ اعظم سے بے حد محبت ہے۔ میں اس اسمِ اعظم کا ورد کرنا چاہتا ہوں۔

اس پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام اسمائے گرامی اسمائے اعظم ہیں۔ ان تمام اسماء میں کوئی تخصیص یا حد بندی یا تقسیم نہیں ہے۔

تمام اسماء محترم اور مقدس ہیں۔ ان میں سے کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ اور اصغر یا اکبر نہیں ہے۔ ان میں سے عظیم اور اعظم کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اصل بات ان اسمائے ربانی میں نہیں بلکہ وہ بندے کے دل کی ہے، اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بندہ کس قدر زیادہ متقی ہے اور کس قدر وارفتگی سے ان اسماء کو چاہنے والا ہے۔ اگر اللہ کا بندہ خدا کے مقابل کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو وہ وصلِ الٰہی کی لذت سے آشنا ہو سکتا ہے، اسی طرح وہ معرفتِ الٰہی سے بھی واقف ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر بندہ اپنی ہمت اور پرواز کی بدولت لمبی اڑان کر سکتا ہے۔ وہ مشرق و مغرب تک جہاں چاہے چند ساعتوں میں پرواز کر سکتا ہے۔ اس میں متعدد خدائی اوصاف بھی پیدا ہو جاتے ہیں؛ اس طرح وہ زندگی اور موت پر بھی قادر ہو جاتا ہے۔ مُردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو موت کی نیند سلانا اس کے لئے معمولی امور بن جاتے ہیں۔"

سوال کرنے والا شخص جو اسمِ اعظم کا طالب تھا۔ وہ اس قدر عمدہ بیان پر تڑپ اٹھا۔ سبحان اللہ کہہ کر پکار اٹھا کہ واقعی اس صورت میں تو اہلِ ہمت کے لئے اسمِ اعظم حاصل کرنا کوئی بڑا اور محال امر نہیں ہے۔ اس پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے پھر فرمایا کہ "اہلِ ہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کے لیئے اسمِ اعظم کا حصول کوئی بڑا مرحلہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ کے سوا باقی تمام جہان اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طلب ہی سب سے اعظم ہے۔ اور پھر اس طلب کے لئے عالی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ عالی ہمت لوگ تو اپنے اللہ سے جو کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ وہی کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ عرشِ معلیٰ کے نیچے سے لے کر تمام کائنات ان کی عالی ہمتوں کی زیرِ نگیں ہو جاتی ہے۔"

سوال کرنے والے نے ایک بار پھر اس قدر بلند مرتبہ لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ لوگ کون ہوتے ہیں تو پھر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو

لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اللہ کی معرفت کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ ان ہی کا یہ مرتبہ اور فضیلت ہوتی ہے۔

ادنیٰ درجہ: ایک بار ایک شخص حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ "اے بایزید! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام پر فائز کر رکھا ہے کہ فرما رکھا ہے کہ جو تمام جہانوں میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بے حد کرم نوازی اور مہربانی ہے۔" اس پر حضرت بایزید بسطامی نے وضاحت طلب کی اور دریافت فرمایا کہ وہ کونسا مقام تمہیں حاصل ہے کہ جس نے تجھے اس قدر یوں اظہار کرنے پر مجبور کیا۔ اس شخص نے بتایا کہ "اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے سوا دنیا کی ہر چیز کو میرے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ تحت الثریٰ بھی میرے لئے مسخر ہے۔" اس پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ "اے نادان اور مسکین شخص! تو کس خیال میں گم ہے۔ یہ جو اپنا مقام اور کیفیت بیان کی ہے یہ تو اہلِ معرفت کے لئے سب سے ادنیٰ امر ہے۔ معرفت والوں کے لئے اس مقام کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے تو بے حد و حساب وسیع ہیں، وہ اگر تمہارے والی تمام نعمتیں اور درجات ساری مخلوق کو بھی دے دیں تو ان خزانوں میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔"

"اور ہاں! اہلِ معرفت کا مقام اور درجہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اہلِ معرفت کے نزدیک جو کچھ تجھے حاصل ہے، ان سے فیض یاب ہونے والا تو کمتر درجے اور ناقص معیار پر ہوتا ہے۔" اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی نے اس شخص سے فرمایا کہ "اے خوش فہم اور نادان شخص اب آپ یہاں سے چلے جائیں۔ آپ جو ادنیٰ درجے کو بڑا کچھ سمجھ رہے ہیں، آپ اہلِ معرفت کی ہمتوں اور رفعتوں کو کیا جانیں۔"

معرفت کا مقام: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک خادم سے روایت ہے کہ ہم نے ایک بار مدینہ منورہ

میں دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بہت سے لوگ جمع ہیں لیکن وہ شخص خاموش ہے. اس شخص نے جب لوگوں کی آرزو اور توقعات کا احساس کیا تو وہ رونے لگا. لوگوں نے اس شخص سے اپنے اپنے بارے میں خدا سے دعا کے لئے درخواست کی. اس شخص اور مجھے دیکھ کر حضرت بایزید بسطامی بھی وہاں رُک گئے اور پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ "اللہ کی یہ مخلوق اور بندے اگر اپنے پروردگار کو جان لیتے تو یہ ہرگز ایسا نہ کرتے. اگر اللہ کے بندے اللہ کی معرفت حاصل کر لیتے تو وہ خود اس قدر غنی ہو جاتے کہ انہیں کسی سہارے کی ضرورت کی محتاجی ہی نہ رہتی. اس مخلوقِ خدا کو میرے پاس بھی آ کر کھڑے ہونے کی ضرورت پیش نہ آتی" اس کے بعد اس شخص نے اپنے پروردگار سے یوں دعا کی کہ "اے میرے پروردگار تو مجھے ان لوگوں میں اُلجھا کر نہ رکھ دینا. کہیں یہی لوگ میرا حجاب نہ بن جائیں. اور میں قربِ الٰہی سے محروم ہو جاؤں. یا پروردگار میں تیری پناہ مانگتا ہوں تاکہ میں حجابات میں نہ آؤں. اور اے پروردگار مجھے ان لوگوں کے لئے حجاب بنا دے تاکہ میں تیری معرفت سے بے گانہ نہ ہو سکوں."

بقول حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بندے کے حجابات : کے خادم. ایک بار حضرت بایزید بسطامیؒ دورانِ مناسک حج حضرت اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے سلام پیش کیا. پھر مقام ابراہیم علیہ السلام پر چلے گئے. مقام ابراہیم علیہ السلام پر کھڑے ہو کر حضرت بایزید بسطامیؒ نے یُوں دعا فرمائی "اے میری جان اور روح کے مالک تو ہی میرا پروردگار ہے. تیرے کتنے ہی بندے ایسے ہیں کہ جو حجابات میں گرفتار ہیں لیکن اے مالک تُو اپنے خاص بندوں کے حجابات دُور فرما دیتا ہے. یا اللہ پاک تو اپنے بندوں کے حجابات دُور فرما" اس دعا پر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے آواز سُنی جس میں کہا گیا تھا کہ "اے ابو یزید! تیرے پروردگار کا کوئی حجاب اور کوئی پردہ نہیں ہے. اللہ اپنے بندوں اور اپنے درمیان کوئی حجاب حائل

نہیں رکھتے بلکہ تیرا رب بندے اور خدا کے مابین کوئی حجاب پسند ہی نہیں کرتا"۔

ہاتف کی یہ ندا سُن کر حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا کہ" اے خدائے عزّوجل میرے جسمانی اعضاء کو مجھ سے حجاب نہیں ہے۔ یا اللہ پاک تو میرے تمام حجاب دور فرما دے"۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت بایزید بسطامیؒ اس قدر زیادہ روئے کہ آنکھوں سے خون جاری ہو گیا، اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا

عارف کی چیخ اور حجاب:

خادم بیان کرتا ہے کہ ایک بار حضرت بایزید بُسطامی پر ایک ایسا حال اور کیفیت طاری ہو گئی کہ آپ بہت بلند آواز میں چیختے رہے۔ وہ چیخیں اس قدر شدید اور عجیب تھیں کہ میں اُن سے بے حد سراسیمہ ہوا اور میرا دل اس قدر دہل گیا کہ شاید پھٹ جائے گا۔ اس صورتِ حال کو میں نے کئی دن تک حضرت جی سے چھپائے رکھا، اور پھر ایک دن تنگ آ کر میں نے عرض کر ہی دیا کہ" اے میرے آقا! میں پچھلے چند دنوں سے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دل ہی نہ پھٹ جائے"۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجازت دی تو خادم نے مزید بیان کیا کہ" آپ کی شدید اور زوردار چیخ نے مجھے تو بے حال کر رکھا ہے۔ اس چیخ کو سُن کر میرا تو دل پھٹنے لگا ہے آپ کی وہ کیا حالت تھی اور آپ اس وقت کس کیفیت میں تھے"؟

خادم کی سراسیمگی اور دہشت کو ختم کرنے کی خاطر حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ" یہ چیخ بے سبب نہیں ہوتی۔ اللہ کا عارف اس وقت شدید اور سخت چیخ مارتا ہے جب اللہ اپنے اور اس کے درمیان حائل حجاب دور کر دیتا ہے۔ پھر اللہ کے عارف کے دل سے جو بلند اور سخت چیخ بلند ہوتی ہے۔ وہ حجاب کی خرمن پر بجلی بن کر

گرتی ہے اور حجاب خاکستر ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر عارف کے لئے اس سے بڑا اور کونسا مقام و مرتبہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام حجاب ختم ہو جائیں اور وہ قرب الٰہی سے فیضیاب ہو جائے۔"

حضرت بایزید کا ایک خواب:

حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس اللہ کے بندوں کے کئی وفود اور بڑے بڑے عارف بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک بار ایک ایسی جماعت آپ کی خدمت میں پہنچی کہ جس نے التدعا کی کہ آپ انہیں کوئی اپنا خواب سنائیں اور ہدایت فرمائیں۔ اس درخواست پر حضرت بایزید بسطامی نے اپنے ایک خواب کا یوں حال بیان کیا کہ "میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے آسمانوں پر بلایا۔ ہر آسمان پر مجھ سے فرشتوں کی ایک جماعت ملتی رہی۔ اور پھر وہی فرشتوں کی جماعت میرے ساتھ ہو جاتی۔ اور پھر فرشتوں کی ہر جماعت یہی سوال کرتی کہ "اے بایزید آپ کس وقت تک اور کتنی مدت تک اپنے اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے؟ اور کیا اللہ کا یہ ذکر تمہاری موت تک جاری رہے گا۔" فرشتوں کے اس بار بار کے سوال پر میں نے عرض کیا کہ "میرا دل یہ ہرگز گوارا ہی نہیں کرتا کہ میں ایک ثانیہ کے لئے بھی اپنے اللہ کے ذکر سے غافل رہوں۔ مجھے اللہ کا ذکر محو کرنے سے خدا سے شرم آتی ہے۔ اور یہ بھی میرے بس میں نہیں ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر ابدیت میں کھو جاؤں اور اپنی عبدیت کے لئے اپنے مولیٰ سے کچھ طلب کروں۔ مجھ سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے خالق و مالک کا ذکر کسی حد و حساب کے تحت کروں۔ اپنے اللہ کے ذکر کے لئے میں کسی طرح کی گنتی کا معیار بھی ٹھہرانا سوئے ادب سمجھتا ہوں۔ بجز اس کے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ (اپنے اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بیان سن کر فرشتے گریہ زاری کرنے لگے اور

سوال کیا کہ "اے بایزید! اس قدر زیادہ، اور مدام ذکر کرنے والی زبان آپ کو کس مرحلہ پر اور کس وقت عطا ہوئی؟"

اس استفسار کے جواب میں حضرت بایزید

ذکر کرنے والی زبان؛ بسطامی نے فرشتوں سے فرمایا کہ لوگ جس وقت اپنے اللہ سے اپنی اپنی دنیا اور عقبیٰ کی مرادیں مانگ رہے تھے اور جنت کی طلب کی آرزو کر رہے تھے۔ دوزخ سے ڈرنے والے دوزخ سے خدا کی پناہ مانگ رہے تھے اور جنت کے طالب جنت کی دعا کر رہے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب عادلِ حقیقی عمل کر رہا تھا تو اس وقت یہ مَیں بھی اپنے منعمِ حقیقی کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑا تھا۔ مَیں اس وقت کچھ مانگنے کے بجائے امری اور ابدی طریق پر اللہ، اللہ، اللہ ہی کا ورد کر رہا تھا۔ دنیا و عقبیٰ سے مَیں بے نیاز تھا۔ مَیں نے اللہ کا ذکر کرنے والی زبان اسی وقت پائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وصف میری زبان کو اسی وقت بخشا تھا اور میرے لئے اللہ کا ذکر ہی کافی ہے۔

اللہ کے بندوں کی اس جماعت نے حضرت بایزید بسطامی کے خواب کا یہ حصہ سُن کر ایک بار پھر درخواست کی کہ ہمیں مزید تفصیلات بتائی جائیں۔ اس طرح آپ نے فرمایا کہ "میں نے اور دیکھا کہ مَیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں۔ اللہ جل شانہٗ، بڑی شفقت سے فرماتے ہیں کہ" اے میرے بندے آج تو جو چاہتا ہے ہم سے طلب کر لے"۔ اس پر مَیں نے عرض کیا" اے میرے مولیٰ، تو رحیم اور کریم ہے مجھ پر اپنا کرم فرما۔ مجھے تیرے سوا کچھ نہیں چاہئیے۔ یہی میرا ارادہ ہے اور یہی میری ہمت اور طلب ہے"۔ بقول بایزید بسطامی اس کے بعد ایک بہت بڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر طرح طرح کی نعمتیں سجائی گئیں۔ پھر ایک فرشتے نے مجھے ان نعمتوں کی جانب دعوت دی لیکن مَیں نے کھانے پینے کی ان نعمتوں کی جانب کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنے پروردگار کی جانب سے نظر بھی نہ ہٹنے دی کیونکہ یہ خوان عظیم اللہ تعالیٰ کی جلالت کے سامنے ہیچ تھا۔ اس صورتِ حال میں مَیں نے اپنے خالق و

مالک سے عرض کی کہ " اے پاک ذات، اے بے عیب ذات، یہ خوانِ نعمت اور دستر خوان میرا مدعا اور منشا نہیں ہے۔ میری مراد صرف میرا اللہ ہے۔ میں اسی کا طالب ہوں۔ اے پروردگار! تیرا ایک طالب تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ تیرے باقی بندوں نے اپنی اپنی مرادیں حاصل کر لی ہیں۔ پروردگار تو نے انہیں ان لوگوں کی طلب کے مطابق عطا فرما دیا ہے۔ اے اللہ! مجھ پر یہ تیرا کرم اور احسان ہوگا کہ تو میرے تمام حجابات دور فرما کر قربِ الٰہی اور معرفتِ حق سے فیض یاب فرما دے۔"

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر میرا امتحان لیا، اور یہ امتحان وہی خوانِ عظیم اور اللہ کا سجایا ہوا دستر خوان تھا۔ یہ امتحان اس قدر بھاری تھا کہ اس کو زمین اور آسمان بھی برداشت نہ کر سکتے۔ لیکن میرے اللہ نے مجھے ثابت قدم اور بلند ہمت رکھا۔" اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی خاموش ہو گئے۔ لیکن اس جماعت کے لوگوں نے کسی مکاشفہ کے بارے میں پوچھا تو حضرت بایزید نے فرمایا کہ "میں نے عالم رؤیا میں پوری اولادِ آدمؑ کو دیکھا ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ اہلِ ہمت ہیں۔ لیکن میں نے اس حقیقت پر یہ عہد کر لیا کہ میں اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان کبھی کسی حاجت کو حائل نہیں ہونے دوں گا اور اپنی کوئی حاجت اس کمزور اور ضعیف سے نہیں کہوں گا کیونکہ میرے لئے میرا اللہ ہی سب کچھ ہے اور وہی میرے لئے کافی ہے۔"

حضرت بایزید بسطامی کے اس بیان پر اللہ والوں کی وہ جماعت آپ کی عالی ہمتی پر تحسین و تبریک کرتی ہوئی اور رشد و ہدایت کی روشنی سے منور ہوتی ہوئی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

جلالتِ الٰہی کا اثر

ایک بار حضرت بایزید بسطامی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے خطیب کے منبر کے قریب تشریف

فرماتھے۔ خطیب اپنے اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ "اے میرے مالک اور پروردگار میری مدد فرما" خطیب کے اس بیان پر حضرت بایزید بسطامی نے اپنی خاص نظر کرم سے اس خطیب کی جانب توجہ کی تو اس کی زبان پر یہ آیت مبارکہ آگئی۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ○ (اور جو اللہ تعالیٰ کی عظمت، شان اور قدر تھی اس کو لوگوں نے پہچانا ہی نہیں ہے۔)

اپنے خطبۂ جمعہ میں خطیب جب یہ آیت مبارکہ پڑھ رہا تھا تو اس وقت حضرت بایزید بسطامی پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی جلالت اس قدر اثر انداز ہوئی کہ ہیبت الٰہی سے آپ رونے لگے اور خون کے آنسو جاری ہو گئے۔

اللہ ہی اللہ ہے

حضرت بایزید بسطامی سے کسی نے سوال کیا کہ کوئی ایسی صورت اور امر ارشاد فرما دیں کہ میری عبادت کو دوام حاصل ہو جائے۔ اس سوال پر حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا قرب اور معرفت ہی سب سے افضل اور احسن ہے۔ اس معرفت میں جب اللہ کا بندہ اپنے پروردگار کو پہچان لیتا ہے تو پھر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ ایک ایسی منزل پر پہنچ گیا ہے کہ جہاں پہ اسے کسی دوسری شئے کی احتیاج ہی نہیں ہے۔ یہ منزل عارف کا حق ہے۔ عارف یہ بھی جان لیتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی سب کچھ ہے، اور وہی ہر ایک چیز پر غالب اور محیط ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر اللہ پر ارادہ نہیں ہوتا۔ وہ عارف اپنے تمام اشغال کو ترک کر کے صرف اللہ ہی کی جانب اپنا ارادہ اور ہر عمل کر لیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کو اس عارف کے ارادے اور گمان کے تابع کر دیتا ہے۔ وہ جس امر کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ارادے کو بھی پورا کر دیتے ہیں۔ عارف اس امر جلے اور درجے پہ اس حقیقت کی معرفت حاصل کر لیتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔

حکایت: ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ کو مجیب الدعوات نے مستجاب الدعوات کی فضیلت بخش رکھی ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ، آپ کی ہر دعا کو قبول فرماتے ہیں۔" اس سوال پر حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ "نادان! غافل اور مسکین لوگ صرف اتنی بلندی اور پرواز پر اِتراتے پھرتے اور خوش ہوتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبولیت سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ ارض و سماء بھی ان کے تابع کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مسافتیں مختصر کر دیتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید وضاحتی انداز میں فرمایا" اے عزیز من! دعاؤں پر ہی موقوف کیا ہے، دعائیں تو اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کی بھی قبول فرما لیتے ہیں تو مومن کی دعا قبول ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ مومن کی دعا تو ضرور قبول ہوتی ہے۔"

یہ سننے کے بعد اس شخص نے پھر کہا کہ "میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ آپ ہوا میں اڑتے ہیں اور پانی پر بھی چلنا آپ کے لئے آسان اور ممکن ہے۔"

حضرت بایزید بسطامی نے اس سادہ سے سوال پر فرمایا کہ "اے نادان اور غافل انسان تو دیکھتا نہیں کہ پرندے بھی تو ہوا میں اُڑ لیتے ہیں اور لاتعداد جانور پانی میں بھی دوڑتے پھرتے ہیں لیکن مومن کی شان تو ان پرندوں اور جانوروں سے بہت بلند ہے۔ وہ تمام زمینوں، سمندروں، فضاؤں، ہواؤں اور آسمانوں سے بلند و بالا ہے۔ عرش و کرسی کے سوا سب اس کے رتبے سے کمتر ہیں۔"

اہلِ فضیلت اور اہلِ معرفت: حضرت احمد بن حرب نے اپنے ایک خادم کے ذریعے حضرت بایزید بسطامی کی خدمت میں ایک مصلّے بھجوایا لیکن آپ نے وہ مصلّے واپس بھجوا دیا اور ساتھ یہ

ارشاد بھی فرمایا کہ "مجھے اس مصلّے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو تمام زمینوں اور آسمانوں کی عبادتوں کو اپنے جسم و جاں میں سمیٹ رکھا ہے۔ میری ان عبادتوں کو میرا خالق و مالک ہی جانتا ہے۔"

اس کے بعد دوسری بار احمد بن حرب نے اپنے اسی خادم کے ہاتھ حضرت بایزید کے لئے ایک تکیہ بھجوایا تاکہ یہ تکیہ باعثِ استراحت بنے۔ لیکن حضرت بایزید بسطامی نے یہ تکیہ بھی ایک پیغام کے ساتھ واپس بھجوا دیا کہ "مجھ جیسے اللہ کے بندے کو اس طرح کے تکیے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو اللہ کی راہ میں اپنے جسم ہی کو تکیہ اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔"

تیسری بار پھر احمد بن حرب نے خادم کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ "اللہ والوں کا قافلہ تو چلا گیا ہے اور آپ محوِ استراحت رہے۔" اس کے جواب میں حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ "اے میرے نادان دوست! فضیلت والے اپنے مراتب پر فخر کرتے۔ لیکن معرفت والے اپنے اعمال کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اہلِ معرفت کا بڑا سے بڑا عمل چاہے وہ زمینوں اور آسمانوں پر بھی محیط ہو، اللہ کے نزدیک ادنیٰ سا عمل ہوتا ہے۔ اور جہاں تک قافلے کا تعلق ہے کہ وہ چلا گیا، اس کے لئے ٹھیک ہے کہ وہ رات بھر سفر کر کے جس پڑاؤ پر پہنچا اور رات بھر بے سکون رہا۔ جب وہ قافلہ پڑاؤ پر اترا تو استراحت کرنے والا وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔"

خالق و مخلوق:

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ "ایک بار میں نے اپنے خدا سے اس طرح التجا کی کہ یا اللہ میں نے تیس سال تک لوگوں کو دعوتِ تبلیغ دے کر تیری جانب لانے کی سعی کی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔" اس پر ندائے غیبی سے سنا گیا کہ "تو ہمیں چھوڑ کر ہماری مخلوق میں مشغول ہو گیا تھا۔ حالانکہ اللہ کی مخلوق اور خالق کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اس میں کسی کا دخل روا نہیں ہے۔" اس پر حضرت بایزید بسطامی نے بجا طور

پر اقرار کیا کہ "اللہ کی بارگاہ میں اللہ کی مخلوق کا معاملہ اللہ ہی کے ساتھ ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔"

ایک دُعا: حضرت بایزید بسطامی اکثر یہ ایک دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ میں تیرے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں سمجھتا۔ مجھے اپنے قرب ہی میں رکھنا۔ مجھے غیر اللہ سے نجات دلائے رکھنا۔ مجھے اپنی معرفت کے سائے میں رکھنا۔ یا اللہ میری یہی ایک دعا ہے۔"

معرفت کی دعا: اللہ تبارک و تعالیٰ کے مسلسل قرب و معرفت کے حوالے سے حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ "معرفت والے اپنے اللہ کو کبھی ممکن ہی نہیں کہ بھول جائیں۔ کیونکہ ہر امر اور ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے اسی طرح معرفت کی روح بھی ہے۔ معرفت الٰہی کی روح یہ ہے کہ عارف اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال دے اور قرب الٰہی میں مستغرق ہو جائے۔ اللہ کی معرفت یہی ہے کہ اپنی تمام امیدیں اپنے اللہ ہی سے وابستہ رکھی جائیں اور بندہ اپنے اللہ کی جانب متوجہ ہو کر باقی ہر چیز سے بیگانہ ہو جائے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں اس قدر بیان فرمانے کے بعد حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت بایزید بسطامی کے کلام میں سے ایک انتخاب آپ لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اس کلام روحانیت کے لطیف اشارات موجود ہیں۔ اس کلام میں معرفت کے راز پوشیدہ ہیں۔" مزید فرمایا کہ "میں تو بایزید بسطامی کے کلام، ان کی معرفت اور اشارات کو بہت جانتا ہوں لیکن میں نے غیرت بایزید اور ان کی واردات قلبی کے مکاشفات کو حتی المقدور ملحوظ رکھا ہے۔ اس لئے توقع رکھتا ہوں کہ لوگ بھی ان اشارات اور رموزِ معرفت کو راست معنی کے حوالے سے مفید اور بہتر پائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کلام سے مستفیض ہونے والوں

پر اپنی رحمت اور برکت فرمائیں۔

پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے مزید فرمایا کہ "اے اللہ تیرے اوقات میں سے ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب لذّتِ سرمدی کا وقت میسّر آجاتا ہے۔ مَیں خود کو فنا کر کے ایک تجرید بن گیا۔ میری ذات کی نفی ہوئی۔ ذات کے بعد مجھے انفرادی مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ میری اس صورت اور حال نے مجھے امتیاز بخش دیا ہے۔ اور مَیں بارگاہِ باری تعالیٰ میں ہر طرف سے بے خبر اور بیگانہ ہو کر حاضر ہو گیا۔ یہی میرا مدعا اور منشا ہے۔"

باب ۔ ۱۰

آفات و اذیار کی صورت

ابو القاسم حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اے ابو الحسن تو کہ اللہ کے عارف

عارف ایک سمندر: گہرے اور اتھاہ سمندر ہوتے ہیں اور ان کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی اس سمندر کی موجیں ہوتی ہیں۔ یہ موجیں اسی سمندر سے اٹھتی ہیں اور اسی ہی میں سما جاتی ہیں۔ یہ موجیں اپنے مرکز سے دور نہیں جاتیں۔ اس طرح اس سمندر کی موجیں اور لہریں جس قدر زیادہ تیز و تند اور شدید ہوتی ہیں اسی قدر سمندر کو وہ پاکیزگی اور صفائی بخشتی رہتی ہیں۔ بالکل اسی طرح سے عارف کی عالی ہمت کی موجیں عارف کی آلائشوں، کدورتوں اور خواہشاتِ نفسانی کو پاک اور صاف کرتی رہتی ہیں۔ اس عمل سے عارف کا جسم تجلیاتِ الٰہی کے لائق بن جاتا ہے، اس سے عارف کے مزاج اور طبع میں نفاست، بردباری اور عزم و ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں ثبات و ارتکازِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ یوں یہ عارف پورے کا پورا اپنے اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جاتا ہے۔ بندہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر حق ہی باقی رہ جاتا ہے۔ جب یہ صورتِ حال ہوتی ہے تو یہ بہت بڑا راز ہے اور بہت بڑا کام ہے۔

دنیا کی حیثیت: عارف کی یہ جو حالت ہوتی ہے، اس کا مدار عارف کی ہمت کی رفعت اور بلندی پر ہے۔ جس قدر ہمت عالی ہوتی

ہے۔ حالت اسی قدر اعلیٰ ہوتی ہے۔ دنیا کو ترک کرنا اور اپنی خواہشات پہ قابو پانا اسی منزل پر آسان اور سہل ہے۔ ترک دنیا کے حوالے سے حدیث نبوی میں ہے کہ دنیا کی تمام تر نعمتیں اور عنایات حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ سلم کے پیش کی گئیں لیکن آپؐ نے انہیں قبول نہ فرمایا۔ یہ عالی ہمتی، اولوالعزمی اور کمال جرأت تھی۔ اس دنیا کے بارے میں آپؐ نے اللہ سے دعا فرمائی تھی کہ " اے اللہ! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے ایک دن پیٹ بھر کر ملے اور دو دن فاقہ سے رہوں۔" یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے وصال کے وقت تین دن سے فاقہ سے تھے۔

لیکن دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اقرار کرتے ہیں

اہلِ غفلت: کہ وہ دنیا و عقبیٰ سے بے نیاز ہیں۔ اور یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے دوست ہیں اور اللہ ان کا دوست ہے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ کونین سے بھی بے نیاز ہیں۔ ان کی نظر میں جنت بھی بے حیثیت ہے۔ لیکن اگر ان کی حالت پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ دنیا بھی رکھتے ہیں اور عقبیٰ کے بھی طالب ہیں۔ وہ کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور ہنستے کھیلتے بھی ہیں۔ اپنے تئیں ایسے لوگ کلام بھی عمدہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کلام سے اللہ کی پناہ۔ یہ لوگ تو کسی کے دوست نہیں۔ انہیں اللہ سے محبت نہیں ہے۔ ان کے دعوے بے بنیاد ہیں۔ یہ لوگ اصل میں اللہ کے سوا غیراللہ میں مشغول و مقید ہیں۔ انہیں خیر و شر کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو عارفوں کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے۔ یہ لوگ اہل غفلت ہیں۔ اہل غفلت کبھی اہل معرفت کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسے غافل لوگ درحقیقت اللہ کے نزدیک بدترین درجے کی مخلوق ہیں کہ جو لوگوں کے ساتھ دغا کرتے اور اپنے مریدوں کو گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے سخت عذاب کے مستوجب ہیں۔ ان کا کذب اور باطل ان کے لئے عذاب الیم بنے گا۔ یہ اپنے جھوٹ اور کاذب ہتھکنڈوں سے صوفیاء اور عارفوں کے مقام کو مجروح کرکے گناہگار

ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ کفار کے بعد یہ کاذب لوگ سب سے زیادہ لعین ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! ان کاذب لوگوں کی باتوں اور دعوؤں پر توجہ دینا بے کار ہے۔ یہ لوگ معرفت کی الف۔ ب۔ سے بھی واقف نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں۔ ان پر دنیا اور عقبیٰ کی خواہشات کا شدید غلبہ ہے۔ اس طرح یہ لوگ معرفت کی منزل سے بہت دُور ہیں۔ ان لوگوں کو تو آفات نے گھیر رکھا ہے۔

عزیز بھائیو! آفات کے کئی رنگ اور کئی صُورتیں ہیں۔ ان میں عبادت پر تفاخر اور غلط فہمی کا فریب بھی آفات ہیں۔ اور فریب ایک طرح کی ہلاکت ہوتا ہے۔ صدیقین کو جو کمترین ہلاکت قلب کے حوالے سے نقصان پہنچاتی ہے وہ خود فریبی ہے۔ یہ خود فریبی بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ اس میں کئی آفات در آتی ہیں۔ یہ خود فریبی اصل فریب نفس ہے۔ فریب نفس میں سراسر زیاں ہے۔ اس میں لغزشیں اور کوتاہیاں در آتی ہیں۔ اسی خود فریبی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ خدا کا کلام " وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ " (تمہیں اپنے نفس کی خود فریبیوں سے بچ کر رہنا چاہیئے)۔ اور مزید ارشاد ہوتا ہے کہ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۝ (اور یہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے اور باخبر ہے کہ تمہارے دِلوں کے اندر کیا ہے۔ تمہارا رجحان کس طرف ہے)۔

پس اے لوگو! اپنے دلوں میں اللہ کا خوف پوری

ابلیس کا حال:

طرح سے بسا لو۔ اس لئے جو امر تم پر جب تک اللہ کی جانب سے وارد اور واضح نہ ہو اس کا چرچا نہ کرو۔ اس میدان میں اگر سہو سے کام لیا جائے گا تو حالت ابلیس سے بھی بدتر ہو سکتی ہے کیونکہ ابلیس ملعون نے بھی فریب کھایا۔ اس نے اپنی تین لاکھ سال کی عبادت پہ گمان کیا اور وہ اپنے آپ کو محفوظ

مامون سمجھنے لگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے تو اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ ابلیس پہ علم الٰہی نے اپنا خاص اثر اس کی تفاخر بھری خواہش کے مطابق دکھایا تو وہ ابلیس اپنی تمام تر طویل عبادات اور علوم کے باوجود گمراہی کا شکار ہوا۔ اس سے اللہ کی حفظ و امان بھی جاتی رہی۔ اس کی عظمت اور عبادت کا تفاخر اس کی کچھ مدد نہ کر سکا۔

حجاب کا نشہ : راہ گم کردہ لوگوں میں بلعم بن باعور بھی تھا۔ وہ ایک عرصہ تک ولایت اور معرفت پر قائم رہا لیکن پھر اس کے تفاخر نے اسے فریب دیا۔ اس طرح وقت معرفت اور علم الٰہی سے محروم ہو گیا۔ اسی طرح قارون پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فراوانی رہی لیکن وہ متکبر ہو گیا۔ اس کا یہ فخریہ تکبر اور غرور اس کے زوال کا باعث بنا لیکن اس نے اپنے اس حال پر کبھی غور ہی نہ کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ کئی اور لوگ بھی اپنے اچھے وقتوں کے حجاب میں آ گئے۔ اس لئے اے لوگو یہ یاد رکھو کہ جو لوگ حجاب کا شکار ہو جاتے ہیں ان کی حالت نشہ حجاب میں مست ہونے والوں کی ہو جاتی ہے اور پھر جو نشہ حجاب میں مست ہوتا ہے، وہ درد کو محسوس نہیں کرتا لیکن جب نشہ اتر جاتا ہے درد کا احساس اپنا اثر دکھاتا ہے۔

اور جو لوگ گناہوں کی رَد میں بہہ جاتے ہیں وہ تو اپنی مصیبتوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے کلام پاک میں جن شدائد اور مصائب و آلام کا ذکر فرمایا ہے ہمیں ان پر غور کرنا چاہیئے کیونکہ بعض گمراہ لوگ تو کسی اور ہی طرح کے گمان میں ہیں اور ان کی سوچ بھی مختلف ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝ (ایسا تو ہرگز نہیں ہوگا جو ان لوگوں نے سوچ رکھا ہے۔ یہ لوگ تو قیامت کے دن حجابات میں ہوں گے)۔

فریب کا شکار ہونا : اس لئے اے میرے بھائیو! دنیا کو چھوڑنا عارفوں کے نزدیک ایک معمولی کام ہے لیکن اگر کوئی اس دنیا کو چھوڑنے

پر فخر و تکبر کرے تو خسارے میں ہے۔ اس دنیا کے دوں کو چھوڑنے میں بھی اللہ ہی کی توفیق کارفرما ہے تو پھر اس پر فخر کی کیا بات ہے۔ دنیا والے دنیا چھوڑ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بہت بڑا کام ہو گیا ہے۔ لیکن اس ترکِ دنیا پر فخر و تکبر سراسر گناہ ہے۔ صرف دنیا چھوڑ دینا اور اسے ترک کر دینا گناہ سے کنارہ کشی ہے۔ گناہ کے ڈر سے ترکِ دنیا گناہ چھوڑنے کے برابر ہے۔ اسی طرح خوف سے امن اختیار کر لینا بھی فساد ہے۔ اسی طرح اگر بندہ توکل کے حوالے سے وکیل کو صحیح طور پر پہچانے ہی نہ تو وہ توکل کے بجائے مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح جو بندہ محبت اختیار کرتا ہے لیکن وہ اپنے محبوب کی پہچان سے عاری ہے تو اس کے لئے وہ محبت محض ضیاعِ وقت ہے۔ محبت تو اس وقت ہوتی ہے کہ جب محبوب کا صحیح طور پر ادراک ہو اور محبوب سے واسطہ اور رابطہ ہو۔

یہی صورتِ حال قربِ الٰہی کے حوالے سے ہے۔ وہ یوں کہ جس کو قربِ الٰہی ہو گیا اور وہ بندہ اپنے اللہ کو چھوڑ کر صرف قرب ہی کو دیکھنا شروع کر دے اور اسی پر اترانے لگے تو وہ بھی فریب کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسا قرب اپنی اصل میں دوری کی علامت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو بندہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے اور اس پر وہ گمان بھی کرے کہ میں اللہ کے ذکر میں مستغرق ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اس عمل پر فخر و تکبر کرنے لگے تو ایسا شخص بھی خسارے میں ہوتا ہے۔ اس کا ذکر قرب کے بجائے باعثِ نسیان بنتا ہے۔

بلعم بن باعورہ بھی ایک دور میں اللہ کی نعمتوں سے فیضیاب تھا، اس پر اللہ کی عنایات تھیں لیکن پھر وہ انہی انوار و عنایات کے فریب میں آگیا اور راندۂ درگاہِ الٰہی ہو گیا۔ اسی طرح قارون پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے حساب فراوانی تھی لیکن وہ فخر و تکبر کا شکار ہو گیا اور اس طرح علمِ الٰہی میں زیرِ عتاب و عذاب آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے محروم کر کے تہی داماں کر دیا لیکن اس نے اپنی اس حالت پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔

عارفوں کا ظرف: ان کے ساتھ ساتھ کئی لوگ اور بھی تھے کہ جو اپنے اچھے اور بہتر اوقات میں فریب اور سراب کا شکار ہو گئے انہیں دنیاوی حجابات گھیر لیا تھا۔ لیکن جب انہیں احساس ہوا تو وہ زیاں میں تھے لیکن اللہ کے محبوب کی مصیبت اور بلا اس کے اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ وہ اس بلا سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ وہ عالی ہمت رہتا ہے۔ اس لئے اللہ کے بندے کہ جنہیں معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے وہ اس پر اتراتے نہیں۔ اس قرب و نعمت سے وہ تکبر اور تفاخر کا شکار نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ لوگ عبادات اور صدقات کے خوگر ہیں وہ بھی دکھاوے سے کام نہیں لیتے۔ کسی زعم کے حوالے سے فریب کا شکار نہیں ہوتے۔ لیکن چھوٹے ظرف کے لوگ، اتراجاتے ہیں اور خود پسندی اور اپنی تعریف کرنے پر ہلاکت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

خود پسندی: خود پسندی بھی ایک انسانی عذاب ہے اس سے آدمی مغرور ہو جاتا ہے اور اس کا نفس موٹا ہوتا ہے۔ خود پسندی ایک بہت بڑا حجاب ہے۔ جو بندے کو اللہ سے دور کر دیتا ہے۔ خود پسندی عرفانِ روح اور صدقِ روح کی بھی ضد ہے۔ اس خود پسندی کی دین جہالت ہے۔ حسرت و ندامت اس کے ثمرات اور معرفت سے دوری اس کا وصف ہے۔ اس خود پسندی میں جب لوگوں پر ایسی حقیقتِ حال واضح ہوتی ہے تو وہ حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ " وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ (اللہ تعالیٰ کی جانب وہ امور اور معاملات ان پر ظاہر اور وارد ہوں گے کہ انہیں ان کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔)

سب کچھ توفیق ایزدی: ان لوگوں کے برعکس بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں۔

کہ جنہیں ان کے پروردگار نے رفعت بخشی اور انہیں اپنے قرب سے نوازا۔ لیکن وہ اللہ کے عارف کسی طرح کے گمان کا شکار نہیں ہوئے۔ انہوں نے اپنے اس حال کو اپنی سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں سمجھا بلکہ اپنے پروردگار کا فضل و کرم جانا ہے۔ وہ کسی خود پسندی یا سراب میں مبتلا نہیں ہوئے اور اپنے اللہ پہ قائم رہے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب بخشا۔ اسی طرح کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں لباس عداوت میں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف مائل رکھا۔ یہ توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنی مرضی اور ارادہ ہے کہ وہ اپنے اولیاء کو اعداء کا لباس دیتا ہے یا اعداء کو اولیاء کا لباس دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے اپنے ارادوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کو بھی ظاہر فرماتا ہے۔ کبھی دنیاوی نعمتوں کی محرومی پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی بعض حالات میں جسم کے ابعاد اور اطراف موقوف کر دیتا ہے اور پھر اسی طرح انسانی عقل و خرد کو بھی مجبور و بے کس کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بعض عارفوں کو اپنے ہی حال میں مست رکھتا ہے۔ ایسے عارف اپنی اس حالت اور کیفیت سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ انہیں جو خطرات اور آفات لاحق ہوتی ہیں وہ ان سے بھی بے خبر ہوتے ہیں بلکہ اگر انہیں کوئی ہوش رہتا بھی ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کے سامنے شرمندہ اور نادم محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ صدیقین میں سے ہوتے ہیں۔

رمن جانب اللہ

اے اللہ کے بندو! دوستو۔ تمہیں تمہارے سفر سے کون روکتا ہے۔ کون تمہیں تکبر و تفاخر کی گمراہی میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب تم پہ اپنی عنایات فرماتا ہے تو پھر تم انہیں اپنے گمان کے وسوسوں سے کیوں ضائع کرتے ہو۔ اپنے اور اللہ کے درمیان کیوں حجاب پیدا کرتے ہو۔ اللہ کی دی ہوئی عزت و حرمت اور نعمت و برکت کو اپنی خام خیالیوں

سے کیوں ٹھکراتے ہو۔ یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔ اس میں بندے کا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور پھر اس صورت میں بندہ کسی خوش فریبی یا پندار میں کیوں آ جاتا ہے جبکہ یہ سب کچھ، سب عنایات و اکرام اور درجات و مراتب اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں۔ اور یہ معرفتِ الٰہی بھی اسی ہی کی جانب سے ہے۔ اس میں بندے کی محبت، محنت، ریاضت یا ہمت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ مقام تو اللہ خود ہی بخشتا ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے :

اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو خوش کلام اور بلیغ کلام کرنے والے ہیں لیکن وہ اسرارِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی معرفت کو اپنے فہم و فراست کی چالاکی سے بیان کرتے ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ علمِ الٰہی پہ بزعم خویش حاوی ہیں۔ یہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہے اور ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان لوگوں کا ظرف اللہ کی نعمتوں کے لئے بہت چھوٹا ہے۔ اپنے بندوں کو اللہ ہی ان کی منزل کی جانب لاتا ہے اور اللہ بندوں کے حجابات دُور فرماتا ہے۔ بے شمار عابد ذکر و عبادت میں مصروف ہیں۔ اسی طرح بے شمار لوگ خوفِ الٰہی سے لرزاں ہیں۔ اصل میں تو اللہ ہی جانتا ہے کون کہاں ہے اور اس کی نیت کیا ہے؟ وہ اپنے اللہ کو کیا مقام اور درجہ دیتا ہے اور اپنی عبادات اور ذکر و فکر پہ اسے کس قدر زعم اور بدگمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حفظ و اماں میں رکھے۔

کئی اللہ سے ڈرنے والے اور اہلِ حال بھی اپنی بدگمانی اور تفاخر و تکبر کے باعث ہلاکت کی آغوش میں چلے گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی اپنے ہی اعمال اور تراکیب کا نتیجہ سمجھا۔ ان لوگوں کی اس سوچ نے انہیں شر میں مبتلا کیا اور وہ قرب کے بجائے دُوری کا شکار ہوئے۔

بعض لوگوں نے محض نام نہاد شہرت کے لیئے یہ سب کچھ اختیار کیا۔ کچھ تصوف کے میدان میں آئے۔ کچھ عابد بن بیٹھے۔ بعض علم کے ناطے سے عالم بن گئے اور زہد کے زور پر زاہد ہو گئے۔ لیکن یہ ان لوگوں کا فریبِ نظر تھا۔ ان کی غلط فہمی تھی وہ تو محض اپنے نفس کے لیئے ان صورتوں میں ڈھلے تھے۔ انہیں اپنی تعریف اور خوشامد پسند تھی۔ وہ اللہ کی ذات سے نزولِ بلا کے وقت کورے اور بے صبر ثابت ہوئے۔ اللہ کی آزمائش کے تو وہ لائق ہی نہیں ہیں لیکن ان کے برعکس اللہ کے عارف ہر آزمائش میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ وہ ہر بلا اور آزمائش کو بھی اپنے اللہ کی طرف ہی سے ایک نعمت اور ایک تحفہ سمجھتے ہیں۔ فتنہ اور شر سے بچتے ہیں اور اپنے پروردگار سے اپنا رشتہ برقرار اور قائم رکھتے ہیں۔

غفلت اور معرفت: کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آپ کو شیخ بنانے کے جویا ہیں۔ انہیں مریدوں کے جھنڈ بھی اپنے گرد اچھے لگتے ہیں۔ مریدوں کی تعداد بڑھانا ان کے نزدیک فروغِ خیر ہے لیکن درحقیقت ایسے لوگ غافل لوگ ہیں۔ انہیں ولایت کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ سراسر محرومی اور مایوسی کا شکار ہیں۔ یہ لوگ ولایت کے تصور ہی کے لیئے ناقص اور نااہل ہیں۔ کذب ان کے مقدر میں ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنا نظامِ ولایت ومعرفت ہے۔ اللہ کی معرفت میں غفلت کو دخل نہیں ہے۔ معرفت سراسر رفعت اور قربِ الٰہی ہے اور اس کے مخفی ثمرات و اثرات ہیں۔ اہلِ غفلت کو تو ان کا ادراک ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ غفلت ایک طرح کی جہالت ہے اور اس غفلت میں غضبِ الٰہی ہے۔ لیکن اللہ کے عارفوں کے لیئے آگہی ہے۔ علم ہے اور معرفت کی نعمتیں اور امن و سکون ہے۔

استدراج: اے میرے عزیز بھائیو! اللہ کی راہ میں بے شمار

سراب اور لاتعداد فریب ہیں۔ بندہ اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے ساتھ ان سے بچ جاتا ہے۔ میرے بھائیو! تم اپنی سادگی میں فریب نہ کھا جانا۔ جو لوگ اپنے اللہ کی طرف سے غافل ہو کر غفلت اپنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نظر کی وسعتیں اور ہمّت کی طاقتیں چھین لیتے ہیں۔ ان کی نظر بندش کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے خالق حقیقی کو پہچان ہی نہیں سکتا۔ ایسے لوگ جو حجابات میں آجاتے ہیں اللہ کا قانون انہیں مزید خسارے اور گھاٹے میں لے جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(ایسے لوگوں کو ہم اس طرح دوزخ کی جانب لے جاتے ہیں کہ انہیں اپنی اس حیثیت کی خبر بھی نہیں ہو پاتی۔)

یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فریب کا تعاقب کرتے ہیں۔ فریب اور سراب انہیں اپنا گرویدہ کر لیتے ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ غفلت کے قعرِ مذلت میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش میں وہ ناکارہ اور بے صبر ثابت ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ کی جانب سے ان کے لیے کوئی مہلت باقی نہیں رہتی۔

اے میرے پیارے بھائیو! کبھی نفس کے فریب کا شکار نہ ہوں۔ اپنے پروردگار کی ناراضگی کے مرتکب نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ جن امور کو پسند فرماتا ہے وہ میں نے بتا دیئے ہیں جو امور اللہ کو پسند نہیں ہیں وہ بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ کی ناپسندیدہ باتیں اگر تمہارے نفس کو بھاتی ہیں تو یہ ظلم ہے۔ اور اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ ایسے لوگ فریب کے تعاقب میں ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تم فریب کھا کر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر تکبّر و تفاخر کرتے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ایسے فریب خوردہ لوگوں کے لئے نعمتوں کے پردے میں عذاب اور سزائیں

موجود ہیں۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا انتقام بڑا شدید ہوتا ہے۔ اور پھر اسی طرح جو لوگ ان فریب کاریوں کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے حالات بہتر ہیں اور وہ حقائق کے قریب ہیں تو ایسے لوگ بھی غفلت کا شکار ہیں اور غفلت تو گمراہی ہے۔

حالات اللہ کے ہیں

اس لئے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ اچھے حالات اور بہتر اوقات پر بھی اترانے اور فخر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ حالات اور وقت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے تابع ہیں۔ ان حالات اور وقت کی بہتری میں اگر کوئی غلط فہمی یا سراب و فریب کے باعث اتراتا ہے تو وہ ایک حوالے سے سرکش ہو جاتا ہے اور اللہ کو سرکشی ہرگز پسند نہیں ہے۔

بندہ بزعمِ خویش اپنے تئیں جن حالات اور اوقات کو اپنے لئے بہتر اور مفید محسوس کرتا ہے ان کے نیچے بھی بڑی بڑی آفتیں اور بلائیں ہوتی ہیں۔ فریبی اور سرکش ان آفتوں کو دعوت دیتے ہیں۔

عارفوں میں سے کسی عارف کا کتنا سچا اور صاف بیان ہے کہ "اگر کوئی عارف یہ کہے کہ میں نے عرفان حاصل کر لیا ہے یا میں نے اپنا مقصدِ حقیقی پا لیا ہے تو اس عارف کا یہ گمان اور خوش فہمی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے۔ اس طرح تو وہ اصلِ مقصود سے گم ہو جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے حقیقت کو پا لیا ہے اللہ کا قانون اسے گمراہی میں پھینک دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی عارف یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کھو گیا ہے۔ اس کی منزل کی اسے خبر ہی نہیں ہے تو اس حالت میں اسے اس کا مقصد مل جاتا ہے۔

اے میرے پروردگار تیری بارگاہ کے علاوہ میرے لئے کوئی اور نہیں ہے۔ تیرے سوا مجھے کوئی ہدایت نہیں بخش سکتا۔ تو ہی مجھے سکون اور اطمینان بخشنے والا ہے۔

میری تو یہ بساط ہی نہیں ہے کہ مَیں تیرے دَر سے اُٹھ کر کبھی اور کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکوں۔ میری محبت کا مرکز و مُدّعا اے میرے خدا تو ہی ہے۔ مَیں تیری محبت ہی کا طالب اور ادنیٰ سا بندہ ہوں۔

اے اللہ! ہم تجھی سے مدد و استعانت کے طلبگار ہیں۔ تجھی سے ہماری فریاد ہے۔ ہماری تمام تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز تو ہی ہے۔ اس لیے ہماری تمنائیں تیری ہی بارگاہ میں پیش ہیں۔ ہمیں استعانت بخش۔ (آمین)

تمام تعریفیں اور حمدیں اللہ ہی کے لئے ہیں، وہی جہانوں کا پالنے والا ہے اور ان کا خالق و مالک ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے صحابہ پر تحسین و تبریک اور درود و سلام ہو۔

سیرت النبی ﷺ معلومات کے آئینہ میں	زاہد حسین انجم
با محمد ﷺ ہوشیار	حاجی محمد منیر قریشی
سید المرسلین ﷺ	مولانا احمد رضا خان بریلوی
معجزات خاتم المرسلین ﷺ	قمر یزدانی
صحابہ ؓ کا عشق رسول ﷺ	صوفی محمد اکرم رضوی
حدائق بخشش (نعت)	مولانا احمد رضا خاں بریلوی
مہر فاراں (نعت)	رفیع الدین ذکی قریشی
نعتیں جو مقبول ہوئیں	
حضرت ابو بکر صدیق ؓ	محمد علی چراغ
حضرت عمر فاروق ؓ	محمد علی چراغ
حضرت عثمان غنی ؓ	محمد علی چراغ
حضرت علی ؓ	محمد علی چراغ
خلفائے راشدین	محمد علی چراغ
یار کامل (حضرت ابو بکر صدیق ؓ)	حاجی محمد منیر قریشی
تذکرۃ الاولیاء	فرید الدین عطار
قصص الانبیاء	
تذکرہ حضرت شاہ جمال ؒ	محمد دین کلیم
تذکرہ حضرت صابر کلیر ؒ۔	تعارف راجا رشید محمود
پیر کامل (حضرت داتا گنج بخش ؒ)	حاجی محمد منیر قریشی
حضرت میاں میر ؒ	اقبال احمد
کلیر کا چاند	ظہور الحسن شارب

969-465-072-0